ہندو مسلم فسادات

ان کا علاج اور مسلمانوں کا آئندہ طریق عمل

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ہندو مسلم فسادات

ان کا علاج اور مسلمانوں کا آئندہ طریق عمل

(فرمودہ مؤرخہ ۲ مارچ ۱۹۲۷ء بمقام بریڈلاء ہال لاہور
زیر صدارت خان بہادر سر محمد شفیع کے سی ایس آئی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ [1]

جیسا کہ آپ صاحبان کو معلوم ہے۔ آج میں آپ لوگوں کے سامنے اس لئے کھڑا ہوا ہوں کہ ہندو مسلم فسادات کے بواعث، ان کا علاج اور مسلمانوں کے لئے آئندہ طریق عمل بیان کروں۔ میرے نزدیک ہر وہ شخص جو خواہ کسی مذہب کے ساتھ تعلق رکھتا ہو، خواہ کسی ملت میں منسلک ہو، خواہ کسی عقیدہ اور کسی خیال کا ہو جسے کچھ بھی ہمدردی اپنے ملک سے ہو گی بلکہ میں کہتا ہوں جس کے دل کے کسی گوشہ میں بھی ملک کی خیر خواہی کا احساس ہو گا بلکہ میں کہتا ہوں جس کے اندر ایک ذرہ بھر بھی دردمندی کا مادہ ہو گا وہ ان فسادات کے سبب ایک تکلیف دہ احساس محسوس کئے بغیر نہیں رہے گا۔

ہندو مسلم اتفاق کا حشر

ابھی چند سال کی بات ہے کہ پلیٹ فارموں پر سے یہ آواز بلند کی جاتی تھی کہ ہم بھائی بھائی ہیں ہم ایک وطن کے رہنے والے ہیں، ہمارے تعلقات کو کوئی بگاڑ نہیں سکتا، ملک کے خیر خواہ انسانوں کے لئے یہ آواز کیسی بھلی تھی اور اس سے کیسی لذت محسوس ہوتی اور کس قدر سرور حاصل ہوتا تھا۔ مگر یہ آواز ہی تھی اور ایک عارضی وقت کے لئے تھی کیونکہ چند ہی دن یہ اتفاق اور صلح رہی اور پھر فتنہ و فساد پیدا ہو

گیا۔ یا تو وہ وقت تھا کہ جابجا اس قسم کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور اس قسم کے مضامین لکھے جا رہے تھے کہ ہم ایک ہیں اور ہم جدا نہیں ہو سکتے یا اب یہ حال ہے کہ وہ جو کہتے تھے ہم بھائی بھائی ہیں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور ایک دوسرے کو وطن سے نکالنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہ اس لئے ہؤا کہ ان کا اتفاق اور صلح صحیح بنیادوں پر نہیں تھی۔

ترقی کے لئے امن کی ضرورت

میرے نزدیک اس وقت تک کوئی مذہب ترقی نہیں کر سکتا، کوئی تمدن ترقی نہیں کر سکتا، کوئی سیاست ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ امن نہ ہو۔ جس طرح کھیت بغیر پانی کے ہرا نہیں ہو سکتا اسی طرح ترقی بغیر امن کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ امن ترقی کے لئے اس پانی کی طرح ہے جس سے کھیت ہرا بھرا ہوتا ہے۔ غرض ترقی خواہ مذہب کی ہو، خواہ ملک کی، خواہ سیاست کی ہو خواہ تمدن کی امن کے بغیر نہیں ہو سکتی اور بغیر امن کے کوئی ترقی نہیں کر سکتا۔ چونکہ امن ترقی کا اصل ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں جتنے متمدن ممالک ہیں وہ فسادات کے مٹانے میں لگے ہوئے ہیں اور نہ صرف عام لوگ اپنے طور پر یہ کام کر رہے ہیں بلکہ وہاں کی پارلیمنٹیں اور وہاں کے ذمہ دار حکام بھی رات دن اسی کام پر لگے ہوئے نظر آتے ہیں کہ کسی طرح فسادات مٹائیں اور ترقی کریں۔ ان ملکوں میں اس قسم کی تقریریں کی جاتی ہیں جن سے امن کی خوبیاں لوگوں کے ذہن نشین ہوں اور لوگوں کو فسادات سے بچایا جائے۔

ہندوستان کی بدبختی

مگر ایک یہی بدبخت ملک ہندوستان ہے جس میں بجائے ایسی تقریریں کرنے کے جن سے امن قائم ہو اور لوگ امن کے سائے تلے ترقی کرتے چلے جائیں اس قسم کی تقریریں کی جاتی ہیں کہ فسادات بڑھیں، قومی اور فرقہ وارانہ نفرتیں زیادہ ہوں اور ملک کا امن جاتا رہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بحیثیت ملک ہونے کے ہندوستان ترقی کرنے سے رُکا ہؤا ہے کیونکہ جب کسی ملک کے باشندے ایک دوسرے کے برخلاف اپنی طاقتیں خرچ کریں گے تو ضرور ہے کہ ترقی کرنے سے رُکے رہیں۔ ہمارے ملک میں اگر تمدن کو کسی مطلب کا سمجھا جاتا ہے تو نفرت پیدا کرنے کا ذریعہ، اگر سیاست کو کسی کام کا خیال کیا جاتا ہے تو فتنہ وفساد کرانے کا آلہ، اگر سوسائٹیوں کو کسی مصرف کا سمجھا جاتا ہے تو فساد اور بدامنی پھیلانے کا ہتھیار۔ غرض کیا تمدن، کیا سیاست، کیا سوسائٹی اور کیا مذہب سب کے سب فساد کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں اس وجہ سے ہماری حالت سخت خراب ہے۔ ہم دوسروں کی نظروں میں بھی گرے

ہوئے ہیں اور اپنی نظروں میں بھی گرے ہوئے ہیں لیکن افسوس کہ ہم اپنی حالتوں پر جیسا کہ چاہئے غور نہیں کرتے۔ اگر ہم غور کریں تو صاف نظر آجائے کہ ہم سخت گرے ہوئے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بہت جلد شورشوں کا شکار بن جاتے ہیں

غلط کوششیں

ملک میں جو کچھ عرصہ سے فسادات ہو رہے ہیں ان کے دور کرنے کے لئے جو کوششیں اس وقت کی گئیں اور جس رنگ میں سعی کو کام میں لایا گیا جہاں تک میں نے غور کیا ہے یہی معلوم ہوا ہے کہ وہ صحیح نہیں۔ وہ کوششیں غلط راستوں پر لے جاتی ہیں جن پر چلنے سے فسادات بڑھا کرتے ہیں مٹا نہیں کرتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی علاج بغیر تشخیص کے نہیں ہوتا اور صحیح علاج کے لئے صحیح تشخیص کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جہاں صحیح تشخیص نہیں ہوتی وہاں صحیح علاج بھی نہیں ہوتا۔ جب ہم ان کوششوں پر نگاہ ڈالتے ہیں جو اس ملک سے فتنہ وفساد مٹانے کے لئے کی گئیں تو کہنا پڑتا ہے کہ وہ صحیح تشخیص پر مبنی نہیں تھیں۔ چونکہ فسادات کی اصل وجہ ہی کی تشخیص نہیں کی گئی تھی اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ جو کوششیں فسادات کے مٹانے اور صلح کے پیدا کرنے کے لئے کی گئیں وہ کامیاب ہوتیں۔ سو ایسا ہی ہوا۔ سال دو سال کے لئے بظاہر امن کی صورت اور صلح کا رنگ پیدا ہو گیا مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے ایسی کوششیں صحیح اور درست طریق پر نہ تھیں اور ان کی کیفیت ایسی ہی تھی جیسی مرض کی تشخیص کئے بغیر اس کے علاج کرنے کی سعی کی جائے اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ عارضی خاموشی رہی پھر فسادات بڑھ گئے اور وہ بات جو صلح کی شکل میں نظر آرہی تھی مٹ گئی اور باوجود تین چار سال تک وقت، طاقت، اثر اور روپیہ استعمال کرنے کے بھی اسے قائم نہ رکھا جاسکا

صلح کے دو ناکام طریق

اس وقت تک صلح کے لئے جو دو طریق استعمال کئے گئے ہیں وہ بالکل نادرست تھے۔ ان میں سے پہلا طریق تو یہ تھا کہ ہمارے ملک کے سیاسی لیڈر جمع ہو جاتے اور کہہ دیتے آؤ صلح کرلیں۔ جب ان کا آپس میں سمجھوتہ ہو جاتا تو اعلان شائع کر دیتے کہ صلح ہو گئی ہے۔ حالانکہ لیڈروں کے درمیان تو لڑائی پہلے سے ہی نہ تھی اور نہ ہی لیڈروں کے درمیان لڑائی ہوا کرتی ہے۔ لڑتے تو عام لوگ ہیں۔ وہ سیاسی لیڈروں کے ایسے اعلانات کے باوجود کہ صلح ہو گئی ہے پھر بھی لڑتے رہے کیونکہ لڑائی محمد علی و شوکت علی صاحبان۔ گاندھی جی اور پنڈت مالویہ کے درمیان نہ تھی۔ لڑائی تو عوام کے درمیان تھی اور یہ ناممکن ہے کہ لڑیں تو عوام اور صلح کریں لیڈر۔ اس طرح کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔ غرض چونکہ لیڈروں میں لڑائی

نہ تھی اس لئے ان کی صلح کا اثر عوام پر نہیں ہو سکتا تھا مگر باوجود اس کے یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ صلح ہو گئی۔ لیڈر اگر صحیح اقرار بھی کریں کہ لوگ آئندہ نہیں لڑیں گے تو بھی فساد نہیں رُک سکتے کیونکہ لڑنے والے ان کی صلح کو قبول نہیں کر سکتے۔

دوسرا طریق یہ تھا کہ کچھ پبلک کو بلا کر کہہ دیا جاتا کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو تمہیں لڑنا نہیں چاہئے۔ اس پر بعض جگہ اعلان تو ہو گیا کہ ہندو مسلمان نہیں لڑیں گے لیکن نتیجہ اس کا بھی کچھ نہ نکلا کیونکہ محض اعلانوں سے کبھی صلح نہیں ہوئی جب تک لڑائی کے اسباب کو دور نہ کیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ لوگ بِلا وجہ لڑا کرتے تھے یا ان کی لڑائی کی کوئی وجہ ہوتی تھی اور کیا ایسے اعلان لڑائی کی اصل وجہ دریافت کر کے کئے جاتے تھے؟ یا یونہی۔ واقعات بتائیں گے کہ لوگ بِلاوجہ نہیں لڑا کرتے اور لیڈروں کے اعلان بغیر اس لڑائی کی وجہ معلوم کئے ہوتے تھے۔ جس طرح ہر انسان میں غصہ کا مادہ ہوتا ہے مگر کسی باہوش انسان کو بِلاوجہ کسی پر غصہ نہیں آتا اور نہ بِلاوجہ کسی سے لڑتا ہے کسی وجہ سے ہی اسے غصہ آتا ہے۔ اسی طرح قومیں بھی بِلاوجہ نہیں لڑا کرتیں اور ملکوں کی لڑائیاں بھی کسی وجہ سے ہی ہوا کرتی ہیں۔ جب ہر لڑائی کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور لڑائی بند تب ہی ہو سکتی ہے جب اس کی وجہ مٹ جائے۔ تو ہندو مسلمانوں کی لڑائی کے متعلق کیسے امید کی جا سکتی تھی کہ صرف لیڈروں کے منہ سے کہہ دینے سے بند ہو جائے گی حالانکہ نہ اس کی وجہ دریافت کی گئی اور نہ اس وجہ کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ قاعدے کی بات ہے کہ جوش میں انسان ہر قربانی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جب ہندو مسلمانوں میں صلح کا جوش تھا اس وقت اس جوش سے شاید اگر دائمی نہیں تو ایک لمبے عرصہ کے لئے صلح ہو جانی ممکن تھی بشرطیکہ لیڈر پبلک کے اس جوش سے پورا اور صحیح رنگ میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے لیکن انہوں نے فسادات کی وجہ تو دریافت نہ کی جس کے دور کرنے سے فساد دور ہو سکتے تھے اور جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ کچھ لوگوں کو بلا کر کہہ دیا صلح کر لو لڑو نہیں اور لوگوں نے بھی جلسوں کے موقعوں پر کہہ دیا ہم نہیں لڑیں گے اور تماشے کے طور پر عوام الناس نے کہنا شروع کر دیا آج سے ہم بھائی بھائی ہیں۔ ہمیں آپس میں ایک دوسرے کو گلے لگا لینا چاہئے۔ آج سے ہماری صلح ہو گئی۔

لڑائی کی وجہ معلوم کئے بغیر صلح کا نتیجہ

اسی بریڈ لا ہال میں آج سے چار پانچ سال پہلے میں نے ایک تقریر کی تھی اس میں بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کے متعلق اظہار خیالات کیا تھا۔ میرے نزدیک اس صلح کی مثال

ایسی تھی جیسے دو زمیندار جو آپس میں بھائی ہوں اور جن میں جائداد تقسیم کر دی گئی ہو وہ کھیت کے کسی منڈیر کے لئے لڑ پڑیں۔ ایک کہے یہ حصہ میرا ہے دوسرا کہے میرا۔ اس موقع پر ان کا باپ اگر انہیں کہے خبردار مت لڑو نقصان اٹھاؤ گے تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ باپ کی نصیحت سن کر رو بھی پڑیں اور بغیر اس کے کہ وہ باپ سے پوچھیں کہ ہم صلح کن اصول پر کریں وہ آپس میں گلے مل جائیں۔ لیکن گو وہ بظاہر صلح کر لیں گے لیکن ان میں سے ہر ایک دل میں یہ خیال کرے گا کہ ہمارے باپ کا مطلب یہ تھا کہ میرا دوسرا بھائی مجھ پر ظلم نہ کرے اور اب امید ہے کہ اس صلح کے بعد وہ میرا حق مجھے دے دے گا اور وہ دل میں خوش خوش چلا جائے گا کہ اب متنازعہ زمین مجھے مل جائے گی۔ اس کے بعد جب ان دونوں میں سے کوئی متنازعہ فیہا حصہ زمین میں ہل چلائے گا تو دوسرا لٹھ لے کر کھڑا ہو جائے گا اور کہے گا عجیب احمق ہے کہ ابھی باپ نے سمجھایا اور اس کے سامنے فیصلہ کر کے آیا ہے اور ابھی اس کے خلاف کر رہا ہے۔ اس طرح پہلے سے بھی زیادہ زور سے لڑائی شروع ہو جائے گی۔ ایسی صلح درحقیقت نئے فساد کی وجہ بن جاتی ہے اور اس سے امن قائم نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ان مجالس میں جو لیڈروں کی طرف سے قائم کی جاتی ہیں یہ فیصلہ نہیں کیا گیا تھا کہ ہندو مسلمانوں کے مطالبات کیا ہیں، جھگڑا کن باتوں پر ہے اور ان کے متعلق صفائی کس طرح ہو سکتی ہے اس لئے نتیجہ یہ ہوا کہ جب لوگ جلسوں کو چھوڑ کر گھروں میں گئے تو ہندوؤں کے جو مطالبے مسلمانوں سے تھے ان کے متعلق ہندوؤں نے سمجھ لیا اب وہ پورے ہو گئے اور مسلمانوں کے جو مطالبات ہندوؤں سے تھے ان کے متعلق مسلمانوں نے سمجھ لیا چونکہ لیڈروں نے اب صلح کرا دی ہے اس لئے وہ پورے ہو جائیں گے۔ مگر جب ہندوؤں نے اپنے حقوق کا مطالبہ مسلمانوں سے کیا اور مسلمانوں نے اپنے حقوق کا مطالبہ ہندوؤں سے کیا تو دونوں کا غصہ اور بھی بڑھ گیا کیونکہ ہر ایک صلح کا مفہوم یہ خیال کرتا تھا کہ اب دوسرا اپنا مطالبہ چھوڑ دے گا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے سے بھی زیادہ فساد پیدا ہو گیا۔

ہندو مسلمان دھوکا کھا گئے

حقیقت یہ ہے کہ لیڈروں کے صلح کے اعلانات سے پبلک اس دھوکا میں آگئی کہ صلح ہو گئی حالانکہ یہ کوئی صلح نہ تھی بلکہ یہ تو ایک قسم کی لڑائی تھی۔ اس طرح جب بھی کیا جائے گا اس سے پہلے کی نسبت زیادہ فساد ہو گا کیونکہ یوں اپنے حق کے لئے لڑنیوالوں کو اگر کسی وقت سمجھایا جائے تو کچھ نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں لیکن جہاں یہ سمجھ لیا گیا ہو کہ ہمیں صلح کے پردہ میں دھوکا دیا گیا وہاں لڑائی کا کم ہونا مشکل ہوتا

ہے۔ ہندو مسلمانوں میں بھی یہی ہوا۔ اگر ہندو اور مسلمانوں نے یہ نہ سمجھ لیا ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کی طرف سے دھوکا دیئے گئے ہیں تو ان کی آپس میں لڑائی نہ ہوتی۔ اور اگر ہوتی تو سمجھانے سے کم ہو جاتی مگر یہاں دونوں نے یہ سمجھا کہ ہم کو دھوکا دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کو دھوکا نہیں دیا گیا تھا بلکہ ان کے نفسوں نے دھوکا کھایا تھا کہ جو بات صلح نہ تھی اسے صلح سمجھ لیا تھا۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ہندوؤں نے باوجود صلح کے ان باتوں کو نہیں چھوڑا جن سے مسلمانوں کو رنج پہنچتا تھا تو انہیں غصہ آیا کہ ابھی صلح کا فیصلہ ہوا تھا لیکن انہوں نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی اور ابھی تک بدستور وہی کام کر رہے ہیں جن سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ ادھر ہندوؤں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے وہی باتیں کرنی شروع کر دیں جن سے انہیں ناراضگی تھی تو انہیں بھی غصہ آیا۔ مطلب یہ کہ دونوں نے سمجھا ہمیں دھوکا دیا گیا ہے اور یہ دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے جس کے نتیجہ میں ملک کا امن برباد ہو گیا۔ اِس وقت میں چاہتا ہوں کہ اس کے متعلق میں اپنے خیالات آپ لوگوں کے سامنے ظاہر کروں کہ اس نزاع کے اصل بواعث کیا ہیں؟ اور ان حالات میں جب کہ نزاع پیدا ہو چکی ہے اور ملک کا امن خطرہ میں پڑ گیا ہے امن کس طرح قائم ہو سکتا ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ جو باتیں میں بیان کرونگا اگر انہیں غور سے سنا جائے گا اور ان کے مطابق عمل کیا جائے گا تو بہت جلد امن قائم ہو جائے گا۔

وجوہِ فساد

میں ان فرقہ وارانہ فسادات اور نزاعات کے بواعث تفصیلی طور پر تو اس قلیل وقت میں بیان نہیں کر سکتا مختصر طور پر جو کچھ کہہ سکتا ہوں وہ کہوں گا۔ میرے نزدیک موجودہ فسادات کے بواعث یہی ہیں جو میں بیان کروں گا اس لئے جس طرح سبب نہیں رہتا تو مرض بھی نہیں رہتا اسی طرح اگر یہ بواعث نہ رہیں تو فسادات بھی نہ رہیں گے۔

سیاسی رواداری اور مساوات کا عدم

سب سے پہلا باعث جو ان فسادات کا ہے وہ یہ ہے کہ ملک میں سیاسی رواداری اور مساوات کا خیال مفقود ہے۔ سیاسی رواداری کی تو ہم لوگوں نے قیمت ہی نہیں سمجھی اور مساوات کے اصول کی اہمیت سے بے خبر ہیں اس لئے بجائے اس کے کہ رواداری کا چرچا عام ہو ہر ایک یہی خیال کرتا ہے کہ جس چیز پر اس کا قبضہ ہو گیا وہ اسی کے لئے ہے اور اسی کے فائدہ کے لئے ہے دوسروں کے فائدہ کے لئے نہیں۔ یہ رواداری کے جذبہ کے نہ ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ ہر ایک آدمی ایسا خیال کرتا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رواداری کا جذبہ لیاقت اور علم سے پیدا ہو

سکتا ہے لیکن وہ قوم کیا لیاقت حاصل کر سکتی ہے جس کے لئے تعلیمی راستہ ہی نہ کھلا ہو۔ میں اس بات کو ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ ہر ایک قوم کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ اس کے افراد لیاقت پیدا کریں۔ لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ایک قوم کے لئے بغیر حکومت میں مناسب حصہ پانے کے ترقی ہی ناممکن ہوتی ہے اور دوسری قوم اس قدر ترقی کر چکی ہوتی ہے کہ بغیر خاص مدد کے پہلی قوم قدم آگے کو نہیں اٹھا سکتی۔ اور اس وقت ترقی یافتہ قوم کا فرض ہوتا ہے کہ وہ وطنی جذبہ کا اظہار کرے اور نہ صرف یہ کہ پیچھے رہی ہوئی قوم کو اس کا حق دے بلکہ اسے رعایت دے تاکہ وہ بھی ترقی کر سکے۔ یہی صحیح جذبہ رواداری کا ہے جس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور نہ اس کے بغیر امن ہو سکتا ہے۔ ایک ملک کی مختلف قوموں کی مثال ایک سڑک کی ہے جس پر مختلف لوگ چل رہے ہوں بیشک راستہ میں ہر ایک شخص کو خود ہمت کر کے آگے بڑھنا چاہئے لیکن جب یہ صورت پیدا ہو جائے کہ کچھ لوگ راستہ میں دیوار کی طرح کھڑے ہو گئے ہوں تو پچھلوں کے لئے آگے بڑھنا بالکل ناممکن ہو گا ان کی سب کوششیں اکارت جائیں گی۔ پس اس وقت اگلی قوم کا فرض ہو گا کہ وہ بیشک آگے کو چلے لیکن سارا راستہ نہ روکے دوسروں کے آگے بڑھنے کے لئے بھی راستہ چھوڑ دے ورنہ پسماندہ قومیں کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔

جمہوریت کے نہ ہونے کے نقصان

سیاسی رواداری کا یہ فقدان ہمارے ملک میں اس سبب سے ہے کہ اس ملک میں جمہوریت کبھی قائم نہیں ہوئی۔ ہندو راجے بھی یہاں ہوئے اور مسلمان بادشاہ بھی یہاں گزرے مگر سب کی حکومت قومی ہوا کرتی تھی۔ یعنی کیا ہندو اور کیا مسلمان دونوں کی حکومتیں رہی ہیں مگر وہ بادشاہوں کی حکومتیں تھیں۔ ہندوؤں میں سے عام طور پر راجپوت حکومت کرتے رہے ہیں۔ اس وقت گویا راجپوتوں کی قومی حکومت تھی۔ ان کے سوا جو قومیں ہندوؤں کی تھیں ان کے لئے ترقی کے کوئی سامان راجپوت قوم کی طرف سے نہ کئے جاتے تھے۔ اسی طرح مسلمانوں کی اگر حکومت اس ملک میں قائم ہوئی تو اسے ایک لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ مغلوں کی تھی یا پٹھانوں کی تھی کیونکہ ان میں سے بعض ایسے تھے جو مغل بادشاہ تھے اور بعض ایسے پٹھان بادشاہ تھے نہ کہ ملکی بادشاہ تھے اس وجہ سے باوجود سینکڑوں سال تک بڑی بڑی حکومتوں کے قائم ہونے کے ہر قوم کا ہر بادشاہ سمجھتا تھا کہ مجھے اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے تلوار اور جتھے کی ضرورت ہے۔ اور جب ایک بادشاہ کو اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے تلوار اور جتھے کی ضرورت ہو لازمی طور پر یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ

اس کے لئے اپنی قوم یا اپنے لوگوں کی طرف دیکھے اور انہیں ہر قسم کی رعایات دے اور دوسرے لوگوں کو ان فوائد سے محروم رکھے۔ ہندوستان میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے کیونکہ ہر بادشاہ یا ہر راجہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اگر اپنے جتھے کی رعایت نہ کی جائے گی اور اگر اسے خاص حقوق نہ دیئے جائیں گے تو وہ اس کی مدد نہ کرے گا اور لڑائی کے موقع پر اس کا ساتھ نہ دے گا اور حکومت قائم نہ رہے گی۔ ایسا جتھہ ان کی اپنی قوم ہی کا ہوتا تھا۔ اور ان خاص مراعات کی وجہ سے جو ان کو ملتی تھیں بادشاہ کی قوم خیال کرتی تھی کہ گویا حکومت انہی کی ہے اور اس کی حفاظت کا خیال اسے رہتا تھا۔ غرض اس ملک کے بادشاہوں اور راجوں کو اپنا جتھہ قائم کرنے کے لئے یہ طریق اختیار کرنا پڑتا اور اس جتھہ کے فوائد کے لئے دوسرے گروہوں اور فرقوں اور جماعت کے فوائد کو نظر انداز کر دیا جاتا اور صرف انہیں لوگوں کو خاص حقوق ملتے جو ان کی اپنی قوم یا اپنے جتھے کے ہوتے۔

اس طریق عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ قومی پاسداری یا دھڑا بندی کے خیالات لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو گئے۔ اور یہ خیال ورثہ کے طور پر جو اپنے باپ دادوں سے اس ملک کے باشندوں کو ملے بلاشبہ یہ بڑا ورثہ ہے۔ اور جب تک اس کی اصلاح نہ ہو گی اس وقت تک جس قوم کے ہاتھ میں کوئی اختیار ہو گا وہ دوسروں کو مٹا دے گی۔ اس کے افراد باپ دادوں کی طرف سے یہی دیکھتے چلے آئے ہیں کہ ہر ایک قوم کا فرد اپنی ہی قوم کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور دوسروں کی پرواہ نہیں کرتا اور جب کوئی قوم اس اختیار کے مل جانے پر دوسری قوموں کو مٹانے کی کوشش کرے گی لازماً فساد بڑھے گا اور جب فساد بڑھے گا تو امن اٹھ جائے گا۔ اور امن کے اٹھ جانے کی صورت میں ترقی کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس طریقہ کی اصلاح کی جائے کیونکہ جب تک اس طریقہ میں اصلاح نہ ہو گی اور لوگ ایک دوسرے کی مدد کرنا نہ سیکھیں گے نہ صرف یہ کہ اپنوں میں سے ایک دوسرے کی مدد نہ کریں گے بلکہ غیروں اور دوسری قوموں کے آدمیوں کی مدد نہ کریں گے اور ان میں مساوات کا مادہ موجود نہ ہو گا اور سیاسی رواداری کا جذبہ پیدا نہ ہو گا ترقی نہیں کر سکیں گے۔

مذہبی رواداری کا فقدان

دوسری وجہ جو ان فسادات کی ہے اور جس کا اثر بھی بہت بڑا ہے وہ مذہبی رواداری کا فقدان ہے۔ جس طرح اس ملک میں سیاسی رواداری نہیں اسی طرح مذہبی رواداری بھی نہیں۔ لوگ برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ کسی دوسرے مذہب کو اچھا کہہ سکیں بلکہ اُلٹا یہ خیال بیٹھ گیا ہے کہ جب تک ایک مذہب

دوسرے مذہب کی بُرائی نہ کرلے اس وقت تک اس کی برتری ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہم اس بات کے عادی ہو گئے ہیں کہ دوسروں میں کیڑے نکالیں ان کو جھوٹا کہیں۔ جا بجا کہتے پھریں کہ فلاں مذہب بہت بُرا ہے اس میں تعفّن پیدا ہو گیا ہے اور اس حد تک تعفّن پیدا ہو گیا ہے کہ پاس جاتے ہوئے دماغ پھٹ جاتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ پچھلا زمانہ انحطاط کا زمانہ گزرا ہے اس میں ہر قسم کی قابلیت کم ہو گئی تھی اس وقت لوگوں میں بلند ہمتی نہ رہی تھی اس لئے بجائے اس کے کہ اپنے مذہب پر غور کرتے ان کی خوبیاں معلوم کرتے اور دوسروں کو ان سے آگاہ کرتے لوگوں نے یہ طریق اختیار کرلیا کہ اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے دوسرے مذہبوں کو بُرا کہنے لگ گئے۔ مذہب کی خوبیوں سے واقف ہونے کے لئے عبادت، خدا کی محبت اور وقت کی قربانی کی ضرورت تھی لیکن ہمارے ملک میں نہ عبادت رہی نہ خدا کی محبت نہ مذہب کے لئے وقت کی قربانی کی عادت۔ اس لئے ان کی جگہ یہ بات پیدا ہو گئی کہ دوسرے مذاہب کو بُرا بھلا کہنے لگ گئے کیونکہ بلند ہمتی نہ رہی تھی۔ دوسرے مذاہب کو بُرا کہہ دینے اور ان کے نقائص بیان کر دینے سے ہی لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے بڑا کام کرلیا۔

ضرورت اصلاح

یہ دو وجہیں ہیں ملک کے فسادات کی جنہیں سیاسی اور مذہبی عدم رواداری کہا جاتا ہے اور یہ اس ملک کے لوگوں نے خود پیدا کی ہیں ورنہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ رواداری کے جذبہ سے محروم نہیں کئے گئے۔ پچھلے اعمال کے اثرات سے یہ بات پیدا ہوئی کہ نہ سیاسی رواداری باقی ہے اور نہ مذہبی رواداری۔ اور جب تک یہ نقص دور نہ کیا جائے گا اور ملک میں عدم رواداری کا جو مادہ پیدا ہو گیا ہے اسے خارج نہ کیا جائے گا اس وقت تک ترقی نہیں ہو سکے گی۔ لیکن یہ حالت ایک دن میں پیدا نہیں ہو سکتی اس کے پیدا کرنے میں دیر لگے گی پس اس وقت تک کہ یہ حالت پیدا ہو ہمیں ایسی شرائط طے کرلینی چاہئیں جن پر عمل کر کے عارضی طور پر یہ بُرے جذبات ان لوگوں کے دلوں میں دبے رہیں جو اس مرض میں مبتلاء ہیں اور ان کے بار بار ظاہر ہونے سے ملکی امن کو نقصان پہنچے۔

عدم رواداری کے دو خطرناک نتیجے

میں نے دیکھا ہے عدم رواداری سے دو خطرناک نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ دشمن کوئی اچھی بات کہہ ہی نہیں سکتا۔ رواداری کے فقدان کی وجہ سے ہندو فرض کرلیتے ہیں کہ مسلمان جو کچھ کرتے ہیں بُرا کرتے ہیں اور مسلمان یہ سمجھ لیتے ہیں کہ

ہندو جو کچھ کرتے ہیں بُرا کرتے ہیں خواہ اچھی بات ہی ہو پھر بھی اسے بُرا ہی کہتے اور بُرا ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسرے کی بات کو اچھا کہنے میں ہماری ہتک ہے۔ پس گو دوسرے مذہب کا آدمی اچھی بات ہی کر رہا ہو لیکن رواداری کے نہ ہونے کے سبب اسے بُرا ہی سمجھا جاتا ہے۔

دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہر شخص جو کچھ کہتا ہے بدنیتی سے کہتا ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کوئی بات کہے اور دوسرے کو وہ ناپسند ہو لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ چونکہ اسے ناپسند ہے اس لئے کہنے والے نے بدنیتی سے کہی ہے۔ مگر یہاں نیتوں پر بھی حملہ کیا جاتا ہے اور جب کسی کی نیت پر حملہ کیا جاتا ہے تو لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دوسرے کو غصہ آئے اور اس غصہ سے وہ خیال کرنے لگ جائے کہ یہ مجھے اس لئے ذلیل کرنا چاہتا ہے کہ خود ترقی کرے۔ درحقیقت یہ نقص اس لئے پیدا ہوا ہے کہ قوم پرستی کی وجہ سے ہمارے ملک میں یہ خیال راسخ ہو گیا ہے کہ ترقی بغیر دوسروں کو گرانے کے نہیں ہو سکتی۔

اسلامی سیاسی رواداری

اس موقع پر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام کی تعلیم مذکورہ بالا امور کے متعلق کیا ہے۔ سیاسی رواداری ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق اتنی سی بات بیان کر دینا ہی کافی ہو گا کہ اسلامی ملکوں میں اسلامی حکومتوں کے ماتحت لوگ بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر قائم رہے اور یہ بات کہ غیر مذاہب کے لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا گیا ہو خاص حکومت یا کسی خاص اسلامی ملک یا کسی خاص زمانہ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ہر اسلامی حکومت میں ایسا کیا جاتا تھا اور ہر اسلامی ملک میں اس رواداری کو استعمال میں لایا جاتا رہا۔ جہاں جہاں اسلامی حکومت ہوئی ہے وہاں لائق اور قابل آدمیوں کو اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا گیا اور یہ نہ دیکھا گیا کہ فلاں آدمی اپنی قوم کا فرد ہے یا غیر قوم کا۔ چنانچہ انجینئر، اطباء، کمانڈر، حتیٰ کہ وزارت تک کے عہدے ان لوگوں کو دیئے گئے جو یہودی تھے یا عیسائی یا کسی اور قوم کے فرد۔ یہی حال ہندوستان میں بھی رہا اور بادشاہوں نے ہندوؤں کو بھی بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا بلکہ بعض حالتوں میں غیر مذاہب کے لوگ مسلمانوں سے بھی ترقی کر جاتے تھے کیونکہ جو بڑے بڑے مسلمان بادشاہ گزرے ہیں وہ جانتے تھے کہ انہیں مذہبی طور پر بھی حکم ہے کہ کسی کا حق نہ ماریں خواہ وہ شخص اپنی قوم کا ہو یا غیر قوم کا۔ چونکہ مسلمانوں کو مذہبی طور پر اس قسم کی رواداری اختیار کرنے کا حکم ہے اس لئے وہ اس سے احتراز نہیں کرتے تھے۔

مذہبی رواداری

میں نے فسادات کی اصل وجہ بیان کرتے وقت ایک وجہ مذہبی رواداری کا فقدان بتائی تھی اور بتایا تھا کہ جس طرح سیاسی رواداری کا مادہ ملک میں نہیں رہا اسی طرح مذہبی رواداری کا جذبہ بھی مفقود ہو گیا ہے۔ سیاسی رواداری کے متعلق اسلام کی جو تعلیم تھی اس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں کہ مسلمان حکومتوں میں یہودی، عیسائی، ہندو اور دوسری اقوام کے لوگ اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر مقرر کئے گئے اور مطلقاً اس بات کا خیال نہ کیا گیا کہ وہ حکمرانوں کی اپنی قوم کے نہیں۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مذہبی رواداری کے متعلق اسلام کی کیا تعلیم ہے اور اس تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کہاں تک دوسری اقوام سے نیک سلوک کرنے کے لئے مجبور ہے۔ مذہبی رواداری کی اسلام میں اس قدر مضبوط بنیاد موجود ہے جس کی نظیر کسی اور جگہ نہیں پائی جاتی۔ دوسرے لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک دوسرے کو جھوٹا ثابت نہ کر لیا جائے اپنی سچائی ثابت نہیں ہو سکتی مگر اسلام کی یہ تعلیم نہیں۔ اسلام جہاں اپنی خوبیوں کو پیش کرتا ہے وہاں وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ہر قوم جو زمین پر قائم ہوئی اس میں کوئی نہ کوئی خدا کا نبی آیا۔ جیسا کہ فرماتا ہے اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ[1] ہر قوم میں نذیر آیا۔ اب دیکھو کتنا بڑا فرق ہے اسلام میں اور دوسرے مذاہب میں۔ دوسرے مذاہب یہ ہرگز نہیں سکھاتے کہ ان کے سوا کسی اور قوم میں بھی نبی آئے لیکن یہ اسلام کی تعلیم ہے جو بتاتی ہے کہ تمام قوموں میں نبی آتے رہے ہیں۔ اب اس تعلیم کے ماتحت مسلمان اس بات کے پابند ہیں کہ ہر قوم میں نبی مانیں اور جب وہ ہر قوم میں نبی مانیں گے تو پھر کیا وہ کسی قوم کو کہہ سکتے ہیں کہ تمہارا نبی جھوٹا تھا۔ اگر کوئی ایسا کہے تو وہ اس نبی کو ہی جھوٹا نہیں کہے گا بلکہ قرآن شریف کی اس آیت کو بھی جھٹلائے گا۔ دیکھو ایک عیسائی اطمینان کے ساتھ گندے سے گندے الفاظ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر سکتا ہے لیکن ایک مسلمان گھر میں بھی اور باہر بھی "مسیح" کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کر کے پکارے گا یعنی حضرت عیسیٰ پر سلامتی ہو اور برکتیں نازل ہوں۔ یہ اسلام ہی کی تعلیم کا اثر ہے کہ عیسائی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں لیکن ہم حضرت عیسیٰ عَلَیْهِ السَّلَامُ پر درود بھیجتے ہیں۔ یہی حال ہندوؤں اور دوسرے مذہب والوں کا ہے کہ وہ تو ہمارے انبیاء کو گالیاں دیتے اور بُرے الفاظ بولتے ہیں مگر ایک مسلمان ان کے سب پیشواؤں کی عزت کرتا ہے اور ان کے لئے عزت اور ادب کے الفاظ استعمال کرتا ہے کیونکہ جب قرآن کریم کہتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ تو ہر مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ ہندوؤں میں بھی نبی گزرے کیونکہ ہندو

بھی دنیا میں ایک قوم ہے اور جب یہ ماننا پڑے گا تو کیونکر اس شخص سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ہندوؤں کے بزرگوں کو گالیاں نکالے۔

مہاراج کرشن و رام چندر جی نبی تھے

میں تو مانتا ہوں کہ کرشن اور رام چندر جی نبی تھے۔ ممکن ہے دوسرے مسلمان میرے ساتھ متفق نہ ہوں لیکن وہ بھی اگر انہیں اچھا نہ کہیں تو انہیں بُرا بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ سب قرآن کو ماننے والے ہیں۔ اگر مسلمان مسلمان ہیں اور اگر قرآن شریف کی تعلیم ان کے لئے حجت ہے تو وہ ہرگز ہرگز اس آیت کے ماتحت جو میں نے پڑھی ہے کسی قوم کے نبی کو بُرا نہیں کہہ سکتے۔ قرآن شریف میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ہر قوم میں نبی آئے اس میں یہ بھی مصلحت ہے کہ مسلمانوں کو بتایا جائے کہ وہ کسی قوم کے نبی کو بُرا نہ کہیں کیونکہ وہ خدا کی طرف سے ہیں۔ لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں ہندو اس کے مقابل پر اپنی کوئی تعلیم نہیں پیش کر سکتے جس میں انہیں اس قسم کی تعلیم کے ذریعہ مذہبی رواداری کا سبق دیا گیا ہو اور جس سے وہ دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی عزت کرنا سیکھیں۔ جس طرح میں کرشن اور رام چندر جی کی عزت کرتا ہوں کیونکہ وہ قرآن کی تعلیم کے مطابق نبی تھے اسی طرح ہندو وید سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ تعلیم نہیں پیش کر سکتے کہ وہ بھی دوسری اقوام کے نبیوں کو نبی کہیں مگر بہرحال ان کو عقلاً یہ ضرور تسلیم کرنا ہوگا کہ کم سے کم دوسری اقوام کے بزرگوں کو بُرا کہنا مذہب کا حصہ نہیں ہو سکتا۔

تمام ملکوں میں نبی

پھر خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ہی نہیں بتایا کہ تمام قوموں میں نبی آئے بلکہ یہ بھی بتایا ہے وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا [۳] کہ تمام قوموں میں رسول آئے۔ پس کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن میں نذیر کا لفظ ہے رسول نہیں ہے اور نذیر کچھ اور ہوتا ہے۔ غرض قرآن کریم کے رو سے ہر قوم میں نبی اور رسول آتے رہے ہیں اور کسی ملک میں بھی کسی نبی کا پتہ ملے مجھے اس کے ماننے میں عذر نہیں ہو سکتا۔ خواہ ہندوستان میں ہو، خواہ چین میں۔ کیونکہ جب قرآن کریم کہتا ہے کہ ہر قوم میں نبی آئے تو مجھے ماننا پڑے گا کہ ضرور آئے۔ اس صورت میں کسی ایسے شخص کے متعلق جسے کسی قوم یا کسی ملک کے لوگ نبی کہتے ہوں میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ جھوٹا تھا۔ فرض کر لیا جائے اگر میں اسے اچھا نہیں کہہ سکتا تو کم از کم یہ جرأت بھی مجھ میں پیدا نہیں ہو سکتی کہ میں اسے بُرا کہوں کیونکہ تعجب نہیں جسے میں بُرا کہوں اور جھوٹا ٹھہراؤں وہ فی الواقع خدا کی طرف سے ہو۔ پس ایک مسلمان جب قرآن

شریف کی اس تعلیم کو دیکھے گا تو پھر وہ کسی قوم یا کسی ملک کے بزرگ کو بھی بُرا نہیں کہہ سکتا۔ ہندو قوم میں کوئی بزرگ ہو یا عیسائی یا یہودی قوم کا اس تعلیم کے ماتحت ایک مسلمان کسی کو بُرا نہیں کہہ سکتا۔ یہی حال ہر ملک کے بزرگوں کا ہے کہ انہیں مسلمان بُرا نہیں کہہ سکتے۔ خواہ کوئی شخص فرانس میں گزرا ہو، خواہ جاپان میں، خواہ جرمنی میں، خواہ روس میں، خواہ ایران میں، خواہ افریقہ میں، خواہ امریکہ میں غرض کسی جگہ کا ہو جسے اس کے ملک کے لوگ بزرگ قرار دیتے ہیں اسے مسلمان اگر سچا نہیں سمجھتا تو اسے بُرا بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ قرآن کریم نے جو فرمایا ہے کہ ہر قوم میں نبی آئے ہیں شاید یہ بزرگ ان نبیوں میں سے ہی ہو۔ پس میں آج یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میں عقیدتًا کسی ایسے شخص کو جسے اس کی قوم یا اس کا ملک نبی بتاتا ہے بُرا نہیں کہہ سکتا اور اس کی ہتک نہیں کر سکتا کیونکہ ممکن ہے وہ نبی ہو اور میں اس کی ہتک کروں تو خدا تعالیٰ کے سامنے مجھے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ پس میں ہتک کر ہی نہیں سکتا بلکہ ہتک کرنا تو دور کی بات ہے میں ایسے سب لوگوں کی عزت کرتا ہوں کیونکہ خدا کا نور جس قوم میں چاہے چمکتا ہے اس لئے میں اس کے جلوے کا احترام کرتا ہوں۔ قرآن شریف کی تعلیم کے لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے لئے کسی دوسرے مذہب والوں کی ہتک کرنے کا دروازہ ہی بند ہو گیا ہے۔

کسی کے مذہبی بزرگ کو بُرا نہ کہو

جو باتیں میں نے بیان کی ہیں۔ اگر ہر ایک کی سمجھ میں آجائیں اور ہندو بھی اس بات پر عمل کرنا شروع کر دیں کہ کسی کے مذہبی بزرگ کو بُرا نہ کہیں تو مذہبی رواداری پیدا ہو سکتی ہے۔ جو لوگ دوسروں کے بزرگوں کو بُرا کہتے ہیں وہ اتنا تو سوچیں کہ اگر وہ دوسروں کے بزرگوں کی ہتک نہ کریں تو ان کا کیا نقصان ہوتا ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ دوسرے کا دل دکھا کر اپنا مطلب پورا کیا جائے۔

ہندو مسلم سوال

میں چاہتا ہوں کہ ملک سے ہندو مسلم سوال مٹ جائے ار وہ اس طرح مٹ سکتا ہے کہ ہندو بھی اسی قسم کی رواداری کو اپنا شعار بنالیں جس قسم کی رواداری کی مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے۔ میں نے جو یہ کہا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ ملک سے ہندو مسلم سوال اُٹھ جائے اس سے میری غرض اس اصل کی طرف اشارہ کرنا نہیں کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں اور پھر مسلمان یہ بالکل بیہودہ بات ہے اور کسی حقیقت پر اس اصل کی بنیاد نہیں ہے اور اس اصل کے ماتحت مذہب کی بنیاد ہی کھوکھلی ہو جاتی ہے۔ اصل میں اس فقرہ کی کہ میں پہلے

ہندوستانی اور پھر مسلمان یا ہندو ہوں کوئی حقیقت ہی نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے مذہب کو سچا تسلیم کرتا ہے تو اس کے نزدیک ہر ایک خوبی جو روحانی یا اخلاقی ہو اس کے مذہب میں پائی جانی چاہئے اور جس کے نزدیک ہر ایک مذہبی اور اخلاقی خوبی اس کے مذہب میں پائی جاتی ہے وہ اور چیز کو اپنے مذہب پر مقدم کس طرح کر سکتا ہے بلکہ وہ اس امر کا خیال بھی کس طرح کر سکتا ہے کہ کوئی اچھی چیز اس کے مذہب سے ٹکرا سکتی ہے۔ پس جب ہم اسلام کو سچا مذہب سمجھتے ہیں تو یہ کہہ بھی نہیں سکتے کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں اور پھر مسلمان۔ کیونکہ اگر ہندوستانیت کوئی اچھی چیز ہے تو سچے مذہب کو اس کے مخالف ہونا ہی نہیں چاہئے اور اگر بری ہے تو پھر ہم نہ پہلے ہندوستانی ہیں نہ بعد میں۔ غرض دونوں صورتوں میں ہندوستانیت اور اسلام کا مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا اور ہم پہلے اور پیچھے کہہ کر ان کے مدارج قرار دیں۔ اگر مذہب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ بہرحال مقدم ہے اور اگر ہندوستانیت کوئی اچھی چیز ہے تو وہ ضرور مذہب کا جزو ہونی چاہئے اور جزو کُل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ اگر ہم ملک کو مذہب پر مقدم رکھیں گے تو ملک کا بھی کچھ نہیں بنا سکیں گے اور اگر مذہب کو ملک پر مقدم رکھیں گے تو ملک کے لئے بھی مفید ہوں گے اور دین بھی درست ہو گا اور میں یہ کہتا ہوں کہ میں پہلے بھی مسلمان ہوں پھر بھی مسلمان۔ کیونکہ اگر میں مسلمان ہوں تو میں ہندوستانی بھی ہوں یعنی وطن کا بھی خیر خواہ ہوں اگر ذرا بھی اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ایمان اور مذہب سے ہی حب الوطنی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ [۱۲] لیکن اگر مذہب چھوڑ کر حب الوطنی اختیار کی جائے یا حب الوطنی کو مذہب پر مقدم کر لیا جائے تو نہ مذہب رہتا ہے اور نہ حب الوطنی۔ کیونکہ حب الوطنی سے مذہب نہیں پیدا ہوا کرتا بلکہ مذہب سے حب الوطنی پیدا ہوا کرتی ہے۔ پس جب میرا مذہب مجھے سکھاتا ہے کہ مذہب کو حب الوطنی پر مقدم رکھنا چاہئے تو میں یہ کہتا ہوں کہ میں پہلے بھی مسلمان پھر مسلمان اور میرے مسلمان ہونے میں ہی ہندوستانیت شامل ہے گویا میں پہلے مسلمان ہوں اور پھر ہندوستانی نہ کہ پہلے ہندوستانی اور پھر مسلمان۔ پس میں نے یہ جو کہا ہے کہ ہندو مسلم سوال اُٹھ جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے ملک اور پھر مذہب کو رکھا جائے بلکہ یہ مطلب ہے کہ قومی بُغض اور منافرت جائے۔ ہاں مسلمانوں کی نازک حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوؤں کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ خیال رکھیں کہ چونکہ مسلمان ترقی کی دوڑ میں پیچھے ہیں انہیں ساتھ ساتھ لے کر چلیں اسی طرح مسلمانوں کو بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ ہندو بھی ہم میں سے ہیں اور اسی ملک کے رہنے والے ہیں ہمیں

ان کے ساتھ مل کر رہنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسری طرف مذہبی رواداری بھی ہونی چاہئے ایک دوسرے کو بُرا نہیں کہنا چاہئے اور آپس میں محبت کے ساتھ رہنا چاہئے۔ لیکن میں افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتا ہوں بجائے اس کے کہ یہ باتیں اختیار کی جائیں ان کے برخلاف کوشش کی جارہی ہے اور ملک میں یہ ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس دو بڑی قومیں جو ہندوستان میں بستی ہیں اگر ان باتوں کو اختیار کرلیں تو ان کی زندگی آرام سے گزر سکتی ہے اور اگر وہ ان کے خلاف کوشش کریں گی جیسا کہ کر رہی ہیں تو امن کی زندگی تو کجا وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتیں۔ ہندوؤں کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کا خیال رکھیں اور انہیں اپنا سمجھیں اور مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہندوؤں کا خیال رکھیں اور انہیں اپنا ہی سمجھیں۔ اگر دونوں قوموں میں سمجھوتہ ہو کر یہ طریق اختیار کرلیا جائے تو ہندو مسلم سوال بالکل مٹ جائے گا اور امن اور ترقی کی راہیں کھل جائیں گے۔ مگر افسوس کہ اس وقت بالکل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ مثلاً گو مسلمان پہلے ہی سرکاری دفاتر میں بہت کم ہیں مگر پھر بھی ہندوؤں کی کوشش ہوتی ہے کہ انہیں دفاتر سے نکال دیا جائے اور جو حقوق انہیں حاصل ہیں ان سے بھی انہیں محروم کردیا جائے۔ اسی طرح بعض اوقات مسلمانوں کا حال ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا چاہئے اور ہندوؤں کو مسلمانوں کی نسبت زیادہ خیال ہونا چاہئے کیونکہ مسلمان کمزور حالت میں ہیں۔

منافرت پھیلائی جارہی ہے

میں چونکہ انصاف سے کہنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں اس لئے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ مسلمان اس لئے ہندوؤں کا ساتھ نہیں دیتے کہ وہ جانتے ہیں ہندو طاقتور ہیں وہ ہمیں نقصان پہنچائیں گے اور ہمارے معاملہ میں انصاف سے کام نہ لیں گے اور ہندو مسلمانوں سے اس لئے رواداری نہیں برتتے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اس لئے ان کو نکال کر تمام ملک میں ایک ہی قوم کی حکومت قائم کرلینی چاہئے۔ اگر ہندوؤں کی طرف سے رواداری کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ کیا جائے تو وہ آسانی کے ساتھ ہندوؤں کے ساتھ مل سکتے ہیں مگر ایسا نہیں کیا جاتا۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ایک طرف تو مذہبی رواداری کا جذبہ مفقود ہے اور دوسری طرف مذہبی منافرت پھیلائی جارہی ہے لیکچروں کے ذریعہ سے بھی اور کتابوں کے ذریعہ سے بھی ایک دوسرے کے جذبات کو بھڑکایا جاتا ہے۔ انبیاء کو گالیاں دی جاتی ہیں بزرگوں کی توہین کی جاتی ہے۔ اس قسم کے تمام کام حقارت اور نفرت کے جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے ہیں جن سے قومیں آرام سے نہیں رہ

سکتیں۔ اور ان کی زندگیاں امن سے نہیں گزر سکتیں۔

اسلام جبر سے پھیلا یا صبر سے

منافرت اور حقارت پھیلانے کے لئے جہاں کتابیں شائع کی جارہی ہیں وہاں اس بات کی بھی اشاعت کی جاتی ہے کہ اسلام جبر سے پھیلا۔ یہ مضمون کثرت سے پھیلایا جارہا ہے حالانکہ جس قدر امن کے ساتھ اسلام صرف اپنی تعلیمی خوبیوں کے لحاظ سے پھیلا اس کی مثال کہیں نظر نہیں آتی لیکن باوجود اس کے یہی کہا جاتا ہے اور بڑے زور شور سے کہا جاتا ہے کہ اسلام جبر سے پھیلا۔ اچھا اگر فرض بھی کر لیا جائے اسلام جبر سے پھیلا تو اس زمانہ میں ان پرانے اور پچھلے قصوں کو دہرانے سے کیا حاصل؟ اور ان کو تازہ کرنے سے کیا فائدہ؟ ایسے لوگ جو یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اسلام جبر سے نہیں پھیلا اگر وہ فرض بھی کر لیں کہ اسلام جبر سے پھیلا اور اس جبر کے فرضی اور وہمی قصے بھی پھیلائے جائیں تو بھی اس سے ہندوؤں کو کیا فائدہ؟ یہ جبر جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہوا ہو چکا اب واپس نہیں آسکتا۔ اس صورت میں پچھلے قصوں کے دہرانے سے سوائے لڑائی اور فساد کے اور کوئی بات پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں کہتا ہوں اسلام کے لئے کوئی جبر نہیں کیا گیا اسلام جب جبر کی تعلیم ہی نہیں دیتا تو یہ بات کس طرح قابل تسلیم ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں نے اس کے لئے جبر روا رکھا۔ اس مجمع میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ میں ان سب سے کہتا ہوں وہ گھروں میں جاکر اس پر غور کریں کہ پچھلے قصوں کے دُہرانے سے فائدہ کیا ہے ان سے سوائے فساد پیدا ہونے کے اور کیا امید ہو سکتی ہے۔ پچھلے قصوں کو دُہرانا عام اس سے کہ وہ فرضی ہوں یا اصلی ہمیشہ فساد کا موجب ہؤا کرتا ہے۔ پس میں ہندوؤں سے کہتا ہوں اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ جبر ہؤا تو اب اس جبر کے قصے بیان کرنے سے فساد پیدا ہو گا رکے گا نہیں اس لئے چاہئے کہ اول تو وہ اپنے اس غلط خیال کو دل سے نکال دیں کہ اسلام جبر سے پھیلا اور اگر یہ نہیں مان سکتے تو بھی چاہئے کہ ملک کے امن کی خاطر ان فرضی قصوں کو جن کو وہ اصلی سمجھتے ہیں دُہرائیں نہیں کیونکہ باوجود اس بات کے جان لینے کے کہ اس قسم کے پرانے قصے بیان کرنے سے فتنہ وفساد ہوتا ہے اگر کوئی شخص اس بات سے نہ رُکے تو وہ ملک اور قوم کا خیر خواہ نہیں بلکہ دشمن ہے۔ وہ امن پسند نہیں بلکہ فساد کو پسند کرتا ہے۔

واقعات گذشتہ کی تحقیق

یہ کہہ دینا کہ اسلام جبر سے پھیلا اور اس کے لئے تلوار کو حرکت دی گئی بالکل غلط بات ہے میں نے اس امر پر خوب

غور کیا ہے کہ تمام تاریخ سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت بزور تلوار ایک قصہ اور افسانہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ جن واقعات سے استدلال کیا جاتا ہے وہ انفرادی مثالیں ہیں اور وہ بھی نامکمل۔ کوئی شخص ان مثالوں سے وہ نتائج نہیں نکال سکتا جو نکالے جاتے ہیں۔ ہندوستان ہی کو لو یہاں مسلمانوں کی حکومت چھ سات سو سال رہی ہے اور سو سال اس حکومت کو ختم ہوئے ہو چکے ہیں اگر اس چھ سات سو سال کے عرصہ کی حکومت کی چند مثالیں اور وہ بھی بلا تفصیلات کے پائی جائیں تو کون عقلمند انسان ان سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اسلام جبراً پھیلایا گیا ہے۔ جبر کا اصل مرکز حکومت ہوتی ہے اور حکومت کا جبر افراد سے نہیں قوموں سے ہوتا ہے پس قومی جبر کی مثالیں پیش ہونی چاہئیں۔ قومی جبر ایسا مخفی نہیں ہوتا کہ اس کے لئے انفرادی واقعات جمع کرنے کی ضرورت ہو وہ تو آپ ہی آپ ظاہر ہوتا ہے پھر غضب یہ ہے کہ جو انفرادی واقعات پیش کئے جاتے ہیں ان کے بھی سب حالات محفوظ نہیں اور جب واقعات سامنے نہ ہوں تو ان کے متعلق بحث و مباحثہ سے نتائج صحیح نہیں نکلا کرتے کیونکہ درست نتائج انہی واقعات سے نکلا کرتے ہیں جو سامنے ہوں اور جن کی تحقیق ہو سکتی ہو۔ اب جن واقعات کی بناء پر کہا جاتا ہے اسلام نے جبر کیا اور تلوار سے کام لیا وہ تو سامنے نہیں اور جب وہ سامنے نہیں تو ان کی تحقیق بھی مشکل ہے اس لئے اِدھر اُدھر کی باتوں سے اس قسم کی نتیجے نکال لینے فضول ہیں اور بدامنی پھیلانے کا باعث ہیں۔ لیکن باوجود اس کے میں کہتا ہوں اگر کوئی ایسا واقعہ ہے بھی کہ جس سے اس قسم کا نتیجہ نکل سکتا ہے جو نکالا جاتا ہے تو وہ کسی ایک شخص کا جوش تھا نہ کہ اس کے اندر کوئی قومی رنگ تھا۔ پس ایک شخص کے جوش کے سبب ساری قوم پر الزام لگانا عقلمندی کا کام نہیں ہے۔

کیمبرج میں ایک سوال کا جواب

پچھلے دنوں ہمارا ایک لیکچرار کیمبرج میں یہ لیکچر دے رہا تھا کہ اسلام امن کے ساتھ پھیلا ہے اور اس کی اشاعت کے لئے تلوار نہیں اٹھائی گئی۔ اس لیکچر میں کچھ طالب علم بھی تھے ان میں سے ایک طالب علم نے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ اگر اسلام فی الواقع امن سے پھیلا ہے تو پھر جنگیں کیوں ہوتی رہیں اس پر ہمارے لیکچرار نے کہا میں ایک سوال آپ کو پوچھتا ہوں پہلے میرے سوال کا جواب دے لیجئے پھر میں آپ کے سوال کا جواب دونگا میرا سوال یہ ہے کہ عیسائیت میں جنگیں کیوں ہوئیں چونکہ عیسائیت کی آپس میں جو جنگیں ہوئیں ان کے مظالم سے ہر ایک مسیحی خاندان شاکی ہے اس کا جواب دینا سائل کے لئے ناممکن تھا اس لئے یہ سوال ہی سن کر وہ بیٹھ گیا کیونکہ اس

سوال ہی میں اس کے سوال کا جواب دیا گیا تھا۔

جبر کی تحقیقات

جبر کئی طرح کا ہوتا ہے اور کئی قسم کے لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے بھائی کا بھائی پر بھی جبر ہو سکتا ہے آپس میں رشتہ دار ایک دوسرے پر بھی جبر کرتے ہیں ایک باپ بھی کسی وقت بیٹے پر جبر کر لیتا ہے اور بعض اوقات بیٹا بھی باپ پر جبر کر لیتا ہے اسی طرح اور کئی قسم کا جبر ہوتا ہے اور اس قسم کے جبروں کو کوئی بُرا نہیں کہتا سب ہی اپنے دوستوں پر زور دے لیتے ہیں اور بعض دفعہ محبت میں سختی بھی کر لیتے ہیں جو جبر منع ہے اور جسے بُرا کہا جاتا ہے وہ جبر وہ ہے جو ایک فرد یا ایک قوم دوسرے پر اس لئے کرے کہ اس سے ایک ایسی چیز چُھڑوائے جسے چھوڑنے پر وہ محبت اور دلیل سے تیار نہ ہو اور جسے وہ محبت کے تعلقات پر مقدم سمجھتا ہو اور قدرتاً ایسے موقع پر انسان اپنی انتہائی کوشش جبر کے اثرات سے بچنے کے لئے کرتا ہے اور اپنا سارا زور مقابلہ پر خرچ کر دیتا ہے۔ اور اب جب جبر ایک قوم کی طرف سے ایک قوم کے خلاف ہو رہا ہے تو لازماً یہ مقابلہ نہایت نمایاں، نہایت وسیع اور نہایت لمبا ہوتا ہے کیونکہ ایک قوم دوسری قوم سے جو ملک کے ہر گوشہ میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے وہ کچھ چُھڑانا چاہتی ہے جسے وہ نہ دباؤ سے نہ محبت سے چھوڑنے پر رضامند ہے۔ پس ظالم قوم بھی قسم قسم کی تدابیر اپنی بات منوانے کے لئے کرتی ہے اور مظلوم قوم بھی قسم قسم کی تدابیر ان ظلموں سے بچنے کے لئے کرتی ہے۔ پس اسلام پر جبر کا الزام لگانے سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس قسم کے جبر کس کس طرح ہؤا کرتے ہیں؟ اور مختلف قوموں کی تاریخ پر نگاہ ڈال کر کوئی نتیجہ نکالنا چاہئے مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان میں مذہبی جبر ہوتا رہا ہے اور یہ کوئی ایسا جبر نہیں جس کے متعلق کچھ بحث مباحثہ کی ضرورت ہو کوئی شخص اس کے متعلق شک نہیں کر سکتا کہ جبر ہؤا یا نہ۔ کیونکہ جبر کرنیوالے خود اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے جبر کیا پس انگلستان کی مثال ایسی ہے کہ ہم اس سے بلا تردد نتیجہ نکال سکتے ہیں

روم کا جبر، عیسویت کے ابتدائی زمانہ میں

مسیحیوں کے ابتدائی زمانہ میں روم والوں کی طرف سے ان پر جبر کیا گیا۔ چنانچہ یہ بات مسیحی اور رومی لوگ مانتے ہیں کہ مسیحی جب اپنے ابتدائی زمانہ میں روم گئے تو رومی حکومت کی طرف سے ان پر جبر ہوتے رہے ہیں

بُدھوں کے برخلاف جبر

اسی طرح ہندوستان میں بھی جبر ہوئے۔ مثلاً بدھوں کے خلاف جبر ہؤا۔ انہیں ہندوؤں نے ملک سے نکال کر چھوڑا

اور انہیں مذہب تبدیل کرنے کے واسطے بھی مجبور کیا گیا۔

گوا میں جبر

ہندوستان کے ایک گوشے گوا میں بھی جبر ہوا۔ عیسائیوں نے وہاں کے باشندوں پر جبر کیا جس سے مجبور ہو کر وہاں کے تمام باشندے اب عیسائی ہیں۔ غرض یہ اور اس قسم کے اور کئی جبر ہیں جو مختلف مقامات پر ہوئے ان سب کے لئے تاریخی شواہد موجود ہیں اور ان کے متعلق کوئی شخص انکار نہیں کرتا اور خود جبر کرنے والوں کو اس بات کا اقرار ہے کہ انہوں نے جبر کیا۔

جبر سے مذہب تبدیل ہو جاتا ہے

ہم جب ان تاریخوں پر غور کرتے ہیں جن میں تفصیلات اس جبر کی درج ہیں جو ان ملکوں میں ہوا۔ اور جب ہم ان کیفیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اسلام نے ہرگز جبر نہیں کیا کیونکہ سوائے بعض شخصی مثالوں کے جن کے حالات بھی پوری طرح محفوظ نہیں ہیں اسلام میں قومی جبر کی کوئی شکل مثال بھی نہیں ملتی۔ پس ان حالات میں اسلام پر یہ الزام لگانا کہ وہ جبر کرتا رہا ہے بالکل ظلم ہے۔ دوسری قوموں کے جبر اور اس قسم کے شخصی واقعات کو آپس میں کوئی مناسبت نہیں کیونکہ جبر کے عام نتائج میں سے پہلا اور بڑا نتیجہ جو ہوتا ہے وہ مذہب کی تبدیلی ہے۔ چنانچہ دوسری قوموں کے جبر پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن پر جبر ہوا وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر جبر کرنے والوں کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ مثال کے طور پر میں گوا کے جبر کو پیش کرتا ہوں یہ جبر اٹھارویں صدی میں ہوا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہاں سارے عیسائی ہیں۔ سب جانتے ہیں اور خصوصاً جہازوں کا سفر کرنے والے جانتے ہیں کیونکہ جہازوں پر گوا کے ہی عیسائی ملازم ہوتے ہیں کہ گوا کے تمام لوگ جبری طور پر عیسائی کر لئے گئے ہیں۔

ہندوستان میں جبر

پس جبر کا ایک نتیجہ تو تبدیل مذہب ہوا کرتا ہے اور چونکہ اسلام پر بھی جبر کا الزام لگایا جاتا ہے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کیا اسلام کے اس جبر کے نتیجہ میں یہاں وہی بات پیدا ہو گئی جو عیسائیوں کے گوا میں جبر کے نتیجہ میں پیدا ہوئی اور کیا فی الواقع اس ملک میں سوائے مسلمانوں کے اور کوئی نظر نہیں آتا۔ جب ہم اس طرف دیکھتے ہیں تو پہلی بات تو یہی ہمارے سامنے آتی ہے کہ اگر واقعہ میں ہندوستان میں مسلمانوں کی طرف سے جبر ہوتا تو جس طرح گوا میں عیسائیوں کے جبر کے سبب عیسائیوں کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا اسی طرح یہاں بھی اس جبر کے باعث مسلمان ہی مسلمان نظر آتے اور ہندو نظر نہ آتے لیکن یہ بات نہیں۔ ہر شخص

جانتا ہے کہ یہاں کثرت ہندوؤں کی ہے بلکہ ہندو مسلمانوں سے کئی گُنا زیادہ ہیں اور اپنے پرانے رسم و رواج کو قائم رکھتے ہوئے آباد ہیں اور ان حالات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ اسلام نے جبر سے کام لیا ایک بے دلیل بات ہے۔

ایک بنگالی کی رائے

اوپر کی دلیل کے متعلق ایک بنگالی لیڈر کی رائے مجھے ہمیشہ انسانی افکار کے اختلاف پر حیرت زدہ کرتی ہے۔ ان صاحب سے ہمارے ایک مبلغ انگلستان میں ملے تو انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں اورنگ زیب نے جبر کیا اور زبردستی ہندوؤں کو مسلمان بنایا اور آپ کہتے ہو کہ اس نے ایسا نہیں کیا مگر مجھے یہ غصہ ہے کہ اس نے کیوں نہ ایسا کیا اور کیوں نہ ان سب لوگوں کو جبراً مسلمان بنالیا تا آج ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہوتا۔ غرض جیسا کہ ہندو کہتے ہیں جبر ہوا۔ تو اس کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ یہاں ہندو نظر نہ آتے مگر سب جانتے ہیں کہ یہاں اب تک ہندوؤں کی کثرت ہے۔ پس ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اسلام نے کوئی جبر ہندوستان میں نہیں کیا۔

جبر کے باعث مذہب چھپانا

دوسری بات جو مذہبی جبر سے پیدا ہوا کرتی ہے وہ اخفاء ہے جن قوموں پر جبر کیا جاتا ہے وہ مذہب کو چھپانے لگ جاتی ہیں اور اپنی رسوم پوشیدہ رکھتی ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں یہ بات نہیں ہے بلکہ ہر قوم جو ان ملکوں میں آباد ہے اپنا مذہب اور اپنا عقیدہ ظاہراً طور پر رکھتی ہے اسے کوئی مجبوری نہیں کہ اپنا مذہب چھپائے اور اپنی رسوم پوشیدہ رکھے۔ پھر کیا اس ملک میں یہ بات ہو سکتی ہے جس میں مسلمان خود محکوم ہیں۔ چونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ پچھلے زمانہ میں مسلمانوں نے جبر کیا۔ لیکن اگر پچھلے زمانہ پر نظر ڈالی جائے تو اس میں بھی کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس سے یہ گمان ہو سکے کہ مسلمانوں کے جبر کے سبب ہندوؤں کو مذہب چھپانا پڑا یا رسم اور رواج کو پوشیدہ رکھنا پڑا۔

انگلستان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ وہاں جب کیتھولک فرقہ زور پر ہوا تو پروٹسٹنٹ فرقہ والوں کو اپنا مذہب چھپانا پڑا اور رسوم کو پوشیدگی میں رکھنا پڑا۔ کیا ہندوستان میں ہندو اپنے مذہب کو چھپاتے رہے ہیں اور رسوم کو پوشیدہ رکھتے رہے ہیں ہرگز نہیں۔ کیا کسی پہلے زمانہ میں بھی انہیں اپنا مذہب چھپانا پڑا یا رسوم پوشیدہ رکھنی پڑیں؟ ہرگز نہیں بلکہ پہلے زمانوں میں تو رسوم بجالانے میں ان کی امداد کی جاتی رہی ہے بعض مغل سلاطین نے اس بارے میں ان کو خاص رعائتیں دے رکھی تھیں حتیٰ کہ بعض معذوروں کے لئے جائدادیں تک انہوں نے عطا کی تھیں اور یہی حال مذہب

کے متعلق تھا۔ چونکہ اسلامی حکومت ایک وقت بہت پھیلی ہوئی تھی اس لئے اس بات کو دیکھنا چاہئے کہ اگر ہندوستان میں نہیں تو کسی اور ملک میں اس نے شاید اس قسم کی مجبوری پیدا کر دی ہو کہ لوگ اپنے مذہب کو چھپائیں اور رسوم پوشیدہ رکھیں مگر جب ہم دیکھتے ہیں تو ہندوستان کی طرح وہاں بھی یہی پاتے ہیں کہ نہ آج نہ آج سے پہلے کبھی کوئی ایسی مجبوری پیدا کی گئی جس سے وہاں کے لوگ مذہب کو چھپانے اور رسوم کے پوشیدہ رکھنے پر مجبور ہو جاتے۔

پس جیسا کہ میں ہندوستان کے متعلق کہہ سکتا ہوں مسلمانوں نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں اس جگہ کوئی جبر نہیں کیا جس کی وجہ سے ہندوؤں کو اپنا مذہب چھپانا پڑے یا رسوم پوشیدہ رکھنی پڑیں۔ اسی طرح شام، آرمینیا، فرانس، سپین، چین وغیرہ وغیرہ ممالک کے متعلق کہتا ہوں وہاں اسلامی حکومت تھی مگر لوگوں کے لئے کامل آزادی تھی۔ حکومت ان پر جبر نہیں کرتی تھی جس کی وجہ سے انہیں اپنا مذہب چھپانا پڑتا یا رسوم پوشیدہ رکھنی پڑتیں۔ پس جب نہ کسی اور ملک میں اور نہ ہندوستان میں جہاں اسلامی حکومت تھی کسی مذہب کے پیروؤں نے مذہبی رسوم کا اخفاء کیا تو پھر یہ کہنا کہ مسلمانوں نے مذہب میں جبر کیا سخت ظلم ہے۔

جبر سے وطن کا چھوڑنا

تیسری بات جو جبر سے پیدا ہوا کرتی ہے وہ وطن کا چھوڑنا ہے لوگوں پر جب جبر ہوتا ہے تو وہ اگر مذہب تبدیل نہیں کرنا چاہتے اور مذہب کو چھپا کر بھی رکھنا گوارا نہیں کر سکتے تو اپنے وطن چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر کیا ہندوستان میں ایسی صورت کبھی پیدا ہوئی یا اس کی ضرورت یہاں کے باشندوں کو کبھی محسوس ہوئی؟ ہندوستان تو ہندوستان تمام اسلامی ممالک میں سے کسی میں بھی ایسی صورت اور ایسی ضرورت کبھی نہیں پیدا ہوئی۔ وہ لوگ جن پر جبر ہو رہا ہوتا ہے اپنے آپ کو بچانے کے لئے جہاں موقع ملے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ رومیوں نے جب مسیحیوں پر جبر کرنے شروع کئے تو مسیحی ایک پہاڑ کی غاروں میں چلے گئے۔ یہ غاریں ایک سَو بیس میل لمبی ہیں اور ایسی ہیں جیسے کمرہ در کمرہ مکان بنائے جاتے ہیں۔ ان کو CATACOMBS کہتے ہیں اور میں نے ان کو دیکھا ہے۔ جب مسیحیوں پر رومیوں کی طرف سے ظلم ہوتے تو وہاں چھپ کر اپنی جانیں بچاتے۔ کیا اس کی کوئی مثال ہندوستان میں ملتی ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے تمام اسلامی ممالک پر بھی نظر ڈالی جائے تو وہاں بھی ایسی مثال نظر نہیں آتی۔ جب ایسی کوئی مثال نہیں ملتی تو پھر یہ کہنا کہ اسلام نے جبر کیا اور بزور تلوار پھیلا اسلام اور اسلام کی پاک تعلیم پر جو امن کی تعلیم ہے غلط الزام لگانا ہے۔ پس جب اسلامی حکومتوں میں ایسا

نہیں ہوا اور لوگوں کو مسلمانوں کے خوف سے ملک نہیں چھوڑنا پڑا تو معلوم ہوا کہ اسلامی ممالک میں جبر بھی نہیں ہوا۔

جبر سے قتل کیا جانا

چوتھی بات جو جبر کے نتیجہ میں پیدا ہونی چاہئے وہ مظلوم قوم کا قتل ہے۔ یعنی اگر جبر کے نتیجہ میں لوگ نہ مذہب کو چھپائیں نہ اس کو بدلیں نہ ملک چھوڑیں تو پھر اگر واقعہ میں حاکم قوم ظالم ہے تو وہ اس ملک کے باشندوں کو بہ حیثیت قوم قتل کرتی ہے۔ غرض جبر کے نتائج میں سے ایک نتیجہ قتل بھی ہے۔ چنانچہ انگلستان میں جب جبر کیا گیا تو لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو قتل کر ڈالا گیا۔ ہسپانیہ میں تو صفایا ہی کر دیا گیا۔ اور یہی حال اٹلی وغیرہ میں ہوا۔ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ لیکن کیا ہندوستان میں بھی ایسا ہوا؟ کبھی مسلمانوں نے ہندوؤں کو جبر کے ساتھ قتل کیا؟ سمجھ دار آدمی آپ ہی جواب دیں گے کہ نہیں پھر باوجود اس کے یہ کہنا کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں جبر کیا بالکل ناواجب ہے۔

جبر سے جائداد ضبط کرنا

پانچویں بات جو جبر پر دلالت کرتی ہے وہ جائداد کا ضبط کر لینا ہے۔ جب کوئی قوم کسی پر جبر کرتی ہے تو ان کی جائدادیں ضبط کر لیتی ہے اور ان کے پاس کچھ نہیں رہنے دیتی۔ چنانچہ انگلستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب ایک وقت پروٹسٹنٹ فرقہ کا زور ہوا تو انہوں نے کیتھولک فرقہ سے تعلق رکھنے والے لارڈوں کی جائدادیں آئرلینڈ میں ضبط کر لیں اور ان کی جگہ پروٹسٹنٹ لارڈوں کو جا بسایا اور ان کی مدد کے لئے دوسرے لوگوں کو بھی وہاں آباد کر دیا اور ان کی حفاظت کے واسطے فوج بھی متعین کر دی۔ تو جبر سے جائدادیں بھی ضبط کی جاتی ہیں۔ لیکن ہندوستان میں بجائے اس کے جائدادیں دی گئیں اور نہ صرف عام لوگوں کو دی گئیں بلکہ مسلمان بادشاہوں نے مندروں اور شوالوں کے لئے بھی بڑی بڑی جائدادیں دیں جو اس وقت بھی ان کے نام پر ہیں۔

اسلام نے کسی جگہ جبر نہیں کیا

یہ عجیب جبر ہے نہ ہندوستانی باشندوں کو مارا جاتا ہے نہ ان کی جائدادیں ضبط کی جاتی ہیں؟ نہ وطن سے نکالا جاتا ہے اور نہ ہی ان ظلموں سے تنگ آکر اس ملک سے نکلتے ہیں نہ رسوم ادا کرنے سے روکا جاتا ہے نہ جبراً ان سے مذہب تبدیل کروا لیا جاتا ہے بلکہ وہ اسی طرح ہندو کے ہندو رہتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے وقت تھے اور اسی طرح اپنی رسوم بجالاتے ہیں اور بجالا رہے ہیں جس طرح وہ اسلامی حکومت کے زمانہ سے پہلے بجالاتے تھے۔ پھر سمجھ نہیں آتا کہ

باوجود اس کے جبر ہوا۔ جن باتوں کو جبر کے ثبوت میں ہندو بیان کرتے ہیں تمام تاریخوں کا مطالعہ کرنے سے بھی ان کی صداقت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اتنا بڑا واقعہ ہو اور تاریخیں اس کے بیان کرنے سے خاموش رہیں ناممکن ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کسی ملک میں ایک طرف اگر کوئی واقعہ ہوتا ہے تو بہت جلد دوسرے سرے تک پہنچ جاتا ہے لیکن یہاں تاریخیں ایسے واقعات کا حقیقی ثبوت دینے سے خاموش ہیں۔ درحقیقت اسلام میں جبر کی تعلیم ہی نہیں اس لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ مسلمان کسی پر جبر کریں۔ اگر کسی جگہ شخصی جوش کے ماتحت کسی فرد نے کوئی ایسا کام کر دیا تو قوم اس کی وجہ سے ملزم نہیں ٹھہرائی جاسکتی۔ معلوم ہوتا ہے بعض ایسے واقعات کو لے کر بعض لوگوں نے اپنی قوم کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے کہنا شروع کر دیا کہ جبر ہوا ہے۔ حالانکہ یہ صریح بات ہے کہ انفرادی فعل قومی فعل نہیں بنا کرتا اور انفرادی فعل سے قوم ملزم نہیں ہوا کرتی کیونکہ جب قوم نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا تو پھر اگر اس کا کوئی فرد کوئی بڑا کام کرے تو اس سے قوم زیر الزام نہیں آسکتی۔ اسی طرح ان شخصی باتوں سے جن کو لے کر بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام نے جبر سے کام لیا اسلام پر الزام نہیں آسکتا نہ اس قسم کے انفرادی افعال سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مذہب پھیلا ہی تلوار کے ذریعہ سے۔

اسلام نے ہر جگہ لوگوں کو امن دیا

ہندو شکایت کرتے ہیں کہ اسلام نے جبر کیا اور بدامنی کا باعث ہوا۔ مگر جس قدر اسلام نے امن پھیلایا اس کی نظیر خود ہندوؤں کے مذہب میں بھی نہیں ملتی۔ خود ہندوستان میں اسلام امن کا ذریعہ ہوا۔ پھر اسلام کی ابتداء عرب سے ہوئی۔ عرب میں جو بدامنی اسلام سے قبل تھی اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ وہ بدامنی کس نے دور کی؟ جس مذہب نے وہ بدامنی جس کی نظیر ملنی بھی مشکل ہے دور کی وہ مذہب اسلام تھا۔ اسی پُرامن تعلیم کا نتیجہ تھا کہ آج تک عرب میں غیر مسلم موجود ہیں۔ یہی حال شام کے علاقہ کا ہے۔ اس میں بھی اسلامی حکومت کے وقت سے پہلے عیسائی وغیرہ موجود تھے اور اس وقت تک بھی موجود ہیں۔ مصر فتح ہوا اس میں آج بھی عیسائی دکھائے جاسکتے ہیں۔ تیرہ سو سال ہوئے وہاں حکومت قائم ہوئی اور تیرہ سو سال ہی ان کے اسلام کی ماتحتی میں گزرے۔ ان کی رسمیں بھی وہی ہیں جو پہلے تھیں، ان کے رواج بھی وہی ہیں جو ان میں جاری تھے، ان کی عبادت گاہیں اس وقت سے لے کر اس وقت تک بدستور قائم ہیں، ان کی جائدادیں بھی ہیں، اسی طرح ہندوستان کا حال ہے۔ مسلمانوں کے آنے سے پہلے جو ہندوؤں کی

رسمیں اور ان کے رواج تھے اس وقت تک سب وہی ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ جب یہ سب باتیں موجود ہیں تو پھر ماننا پڑتا ہے کہ اسلام نے جبر سے کام نہیں لیا بلکہ وہ امن کا حامی رہا اور امن کی تعلیم دیتا رہا۔

موجودہ اسلامی حکومتوں کا طریق کار

یہ بات پہلے زمانوں میں ہی نہ تھی اب بھی جہاں جہاں اسلامی حکومتیں ہیں وہاں یہی بات ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ جو اور قومیں وہاں آباد ہیں انہیں ہر قسم کے جائز حقوق حاصل ہیں اور ان پر کوئی جبر نہیں کیا جاتا بلکہ ان کی مدد اور مناسب دادرسی کی جاتی ہے۔ چنانچہ حال میں سرحد پر ایک تازہ واقعہ ہوا۔ جو اس بات کی دلیل ہو سکتا ہے کہ اسلام جبر کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہاں ایک ہندو شخص ٹیک چند زرگر مارا گیا۔ نواب انب نے مارنے والوں کے گاؤں پر حملہ کر کے ایک سید اور ایک اور شخص کرامت علی کو مار دیا۔ باوجود اس کے کہ پٹھان اُجڈ اور اکھڑ مشہور ہیں ابھی تک ان میں یہ احساس موجود ہے کہ ماتحت غیر قوموں اور ان کے مذہب اور رسم و رواج کی حفاظت اور عزت کرنی چاہئے اور افغانستان میں بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ گو ہمارے لئے امن نہیں لیکن غیر مسلموں کے لیے ہے۔ اور ہم دکھا سکتے ہیں کہ ہندو افغانستان کے اندر امن سے آباد ہیں۔ پس جب ہر اس جگہ کہ جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی غیر قوموں پر کوئی جَبر نہیں کیا گیا تو ہندوستان کے متعلق برخلاف شہادت کی موجودگی میں ہم کیونکر مان سکتے ہیں کہ مسلمان حکمران ہندوؤں پر جبر کرتے تھے۔ پس اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا تو وہ شخصی اور انفرادی تھا اور انفرادی واقعات کو قومی قرار دے کر قوم کی قوم کو ملزم قرار دینا کہاں کی عقلمندی اور کہاں کا انصاف ہے۔

مسلمانوں کے جبر کرنے کا قصہ ہی غلط ہے

ہر بات کے کچھ شواہد ہوتے ہیں جن سے اس کی معرفت ہوتی ہے اسی طرح جبر کے بھی شواہد ہیں۔ اب جس قوم میں اس کے شواہد پائے جائیں وہی جبر کرنے والی ہو گی۔ مسلمانوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جبر کیا۔ میں نے ان شواہد میں سے بعض کو پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان میں سے مسلمانوں کے ہاتھ سے کوئی بھی بات پیدا نہیں ہوئی۔ یعنی ہندوؤں کو مذہب تبدیل نہیں کرنا پڑا، انہیں مذہب چھپانے کی بھی ضرورت پیدا نہیں ہوئی، ان میں اپنی ابتدائی رسمیں اور رواج بدستور جاری رہے، ان کو اپنا وطن بھی نہیں چھوڑنا پڑا تو معلوم ہوا ان پر جبر نہیں ہوا۔ یہ صرف مسلمانوں کے برخلاف شور برپا کرنے کے لئے ایک بات پیدا کرلی

گئی ہے کہ انہوں نے جبر کیا۔

راجپوتوں کا اسلام

ہندوؤں میں سے جس قوم نے زیادہ اسلام قبول کیا وہ راجپوت ہیں جن کے متعلق ہندو کہتے ہیں ان کو جبراً مسلمان بنایا گیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوؤں میں سے راجپوتوں نے زیادہ اسلام قبول کیا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی بہادر اور لڑنے والی قوم بھی راجپوت ہی تھی اس وجہ سے یہ سن کر تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ اس بہادر اور دلیر قوم کو زبردستی اسلام میں داخل کر لیا گیا اور یہ کہ اس قوم نے مسلمانوں کے جبر کے ڈر سے اسلام قبول کیا۔ اگر یہ بات درست ہے کہ مسلمانوں نے جبر کیا اور مسلمانوں کے ڈر سے راجپوتوں نے اسلام قبول کیا تو چاہئے تھا کہ آج برہمن وغیرہ قومیں نظر نہ آتیں۔ کیونکہ ڈر کی وجہ سے اگر اسلام قبول کیا گیا تھا تو سب سے پہلے برہمن اسلام قبول کرتے کیونکہ یہ راجپوتوں کی طرح بہادر اور دلیر نہ تھے لیکن ہوتا اس کے بالکل اُلٹ ہے کہ برہمن تو برہمن ہی نظر آتے ہیں اور راجپوت مسلمان پائے جاتے ہیں۔ راجپوتوں کے ہاتھ میں ہمیشہ تلوار رہی ہے۔ وہ اسلام کے جبر کا مقابلہ کر سکتے تھے اور جن کے ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہتھیار نہ تھے وہ فوراً اسلام قبول کر لیتے۔ مگر جو ڈرنے والے تھے وہ تو کثرت سے اپنے مذہب پر نظر آتے ہیں اور جو بہادر اور دلیر تھے وہ کم نظر آتے ہیں۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے کبھی کسی پر جبر نہیں کیا اور نہ اسلام کی طرف سے ایسی تعلیم دی گئی ہے کہ جبر کر کے لوگوں کو مسلمان بنایا جائے۔

اسلام کو جبر کی ضرورت نہیں

ان سب باتوں کے علاوہ اب میں آپ لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام کو جبر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے قرآن شریف میں ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ [۵] یعنی دین میں کوئی جبر نہیں۔ کیونکہ واقعی جو حق بات تھی وہ گمراہی اور ضلالت کے بالمقابل پورے طور پر ظاہر ہو گئی۔ اور خدا تعالیٰ اس آیت میں وجہ بیان فرماتا ہے کہ کیوں اسلام کو جبر کی ضرورت نہیں اسلام کو جبر کی اس لئے ضرورت نہیں کہ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ سچائی صاف صاف ظاہر ہو گئی اور یہ ظاہر ہے کہ جبر اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی بات دلیل سے ثابت نہ ہو سکے یا جس کو سمجھایا جائے وہ سمجھنے کے قابل نہ ہو۔ جیسے بچے کہ ان کی عقل چونکہ کمزور ہوتی ہے انہیں بسا اوقات ان کی مرضی کے خلاف اور جبر کرنے والے کی مرضی کے موافق کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے لیکن اسی بچہ میں جب عقل آجاتی ہے تو پھر وہ اپنے آپ ہی سمجھ لیتا ہے اور اپنے نفع و نقصان کو سوچ سکتا ہے اس حالت

میں اس پر کوئی جبر نہیں ہوتا۔ اسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میں دلائل کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اس لئے جبر کی اسے ضرورت نہیں۔ اب اس دعویٰ کے ہوتے ہوئے اگر کوئی مسلمان جبر کرے تو اسلام کے اس دعویٰ کو جھوٹا قرار دیتا ہے۔ اس لئے کسی عقلمند مسلمان کی نسبت یہ خیال نہیں کیا سکتا کہ وہ جبر کر کے اسلام کے اس عظیم الشان دعویٰ کو جھوٹا کر سکے۔

قرآن کو رسول کریمؐ کی ڈائری کہنے والی سوچیں

اسی طرح قرآن مجید کی ایک اور آیت سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں مطلقاً جبر کی تعلیم نہیں ہے حضرت شعیبؑ نبی کے پاس اس کی قوم کے سرکردہ لوگوں نے آکر کہا۔ اے شعیب! اگر تم اور تمہارے ساتھی اپنے دین کو چھوڑ کر ہمارے دین میں واپس نہ آؤ گے تو ہم تم کو اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ حضرت شعیب جواب دیتے ہیں اَوَ لَوْ کُنَّا کَارِھِیْنَ[6] کیا اگر ہم تمہارے دین کو بُرا سمجھیں اور اس سے بیزار ہوں اور اگر ہمارا دل نہ بھی چاہتا ہو تو بھی تم ہمیں اس بات پر مجبور کرو گے کہ ہم تمہارے مذہب میں لوٹ آئیں اور اگر ہم نے تمہارا دین قبول نہ کیا تو ہمیں اس شہر سے نکال دو گے۔ کیا ہی لطیف یہ جواب ہے۔ اگر وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جبر کی تعلیم ہے صرف اسی ایک آیت پر غور کرتے تو انہیں سمجھ آجاتی کہ قرآن جب کہ ایک نبی کی زبان سے یہ کہلوا رہا ہے کہ اگر دل نہ بھی چاہتا ہو تو پھر بھی کیا تم مجبور کرو گے کہ تمہارا دین قبول کیا جائے تو وہ خود کیسے کسی کو یہ تعلیم دے سکتا ہے کہ لوگوں پر جبر کر کے انہیں مسلمان بناؤ۔ پھر جیسا کہ بعض اعتراض کرنے والے بالکل غلط کہا کرتے ہیں قرآن تو (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہے اور ان کی روزانہ ڈائری ہے۔ اگر قرآن شریف واقعی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ ڈائری ہے اور آپ کا بنایا ہوا ہے تو یہ الفاظ بھی آپ ہی کی زبان سے نکلے ہونگے جو شعیب نبی کے متعلق قرآن میں پیش کئے گئے ہیں جو انہوں نے اپنی قوم کے سرداروں کے جواب میں کہے۔ اگر یہ الفاظ اسی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے ہیں جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قرآن اس نے آپ بنایا تو کیا اس کے متعلق یہ خیال کر لو گے کہ وہ خود جبر کرتے تھے اور اپنے ماننے والوں کو جبر کی تعلیم دیتے تھے۔ کیا ایک شخص جو جبر کو عقل اور فطرت کے خلاف سمجھتا ہے وہ خود جبر کر سکتا ہے۔

اسلام کی اصل روح

غرض اس قسم کی بہت سی مثالیں قرآن شریف سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم جبر کے خلاف ہے مثلاً قرآن کریم فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ [7] اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو تمام دنیا کی آبادی ایمان لے آتی پھر کیا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اگر دنیا کو جبر کے ساتھ منوانا ہوتا اور اگر اسلام میں جبر کی تعلیم ہوتی تو خدا تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ تو لوگوں کو مسلمان ہونے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ہم چاہتے تو یہ بات ہماری طاقت میں تھی کہ ہم اپنی مشیت سے کام لے کر تمام لوگوں کو مسلمان بنا دیتے۔ مگر جب ہم نے یہ نہیں کیا تو اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تُو کیسے ان کو مسلمان بننے کے واسطے مجبور کر سکتا ہے اور تُو جب ان کو مجبور نہیں کر سکتا تو پھر تیرے لئے یہی ایک راہ ہے کہ ان سے کہدے قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ [8] کہ حق اور صداقت جو دنیا میں آئی ہے تو وہ تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور یہ تعلیم جو تمہارے لئے بھیجی گئی ہے بالکل سچی ہے اور تمہارے واسطے فلاح کا موجب ہے اب تمہارا دل چاہے تو مان لو اور دل نہ چاہے تو نہ مانو۔

کیسی صاف بات ہے کہ حق پیش کر کے کہا جاتا ہے مرضی ہو تو مانو نہ مرضی ہو تو نہ مانو۔ غور کرو اگر جبر اسلام میں ہوتا تو کیا خیال کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سکھاتا ہے کہ دنیا سے تم یہ کہو اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ۔ یقیناً وہ ایسا نہ کہتا بلکہ وہ ایسے الفاظ فرماتا جن کا یہ مطلب ہوتا کہ اگر نہیں مانو گے تو ملک سے نکال دیا جائے گا یا تمہاری جائدادیں ضبط کر لی جائیں گی یا تمہیں قتل کر دیا جائے گا لیکن نہ خدا نے یہ فرمایا نہ قرآن کریم میں ایسا حکم ہے نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ارشاد فرماتے ہیں بلکہ خدا، قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی کہتے ہیں کہ مرضی ہو تو مانو نہ مرضی ہو تو نہ مانو تم پر جبر نہیں۔ سمجھ نہیں آتی پھر اسلام پر جبر کا الزام لگانے والے کہتے کس بناء پر ہیں کہ اسلام میں جبر ہے۔

اسلام کی ہر بات میں امن ہے

ایک اور رنگ سے بھی یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ اسلام کے متعلق جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس میں جبر ہے بالصراحت غلط ہے۔ خدا تعالیٰ کا اس کا نام اسلام رکھنا ہی یہ بات ظاہر کرتا ہے

کہ یہ مذہب جبرو تشدد کے برخلاف صلح و آشتی کا حامی ہو گا کیونکہ لفظ اسلام کے معنی ہیں امن میں رہنا اور امن دینا۔ جس مذہب کے نام کے یہ معنی ہوں کہ وہ امن ہے امن میں رہتا ہے اور امن دنیا کو دیتا ہے اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ جبر کرتا ہے سراسر غلط ہے اور ناسمجھی پر دلالت کرتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کے اسماء حسنہ جو قرآن نے بیان کئے ان میں سے ایک نام مؤمن ہے۔ جس کے معنی ہیں امن دینے والا۔ پس جو خدا امن دینے والا ہے اور اپنے دین کا نام اسلام رکھتا ہے کیا اس کے متعلق یہ یقین کر سکتے ہیں کہ باوجود اپنا نام مؤمن بتانے اور باوجود اپنے دین کا نام اسلام رکھنے کے وہ اسی اسلام کے ذریعہ بدامنی، تشدد اور جبر کی تعلیم دے۔ اسی طرح مسلمانوں کے مقدس شہر مکہ کے متعلق ہے مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا [9] کہ جو اس میں داخل ہؤا وہ امن میں ہو گیا کیونکہ کعبہ امن کی جگہ ہے۔ یہاں کعبہ سے مراد وہ خاص مکان بھی ہے جس کی طرف مسلمان منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور وہ مذہب ہی ہے جو امن کا حامی ہے۔ یعنی جو اس مذہب میں داخل ہو گا وہ خود بھی امن میں ہو جائے گا اور دوسروں کے لئے بھی امن کا باعث ہو گا۔ اسی طرح قرآن کریم ہے۔ اس کی نسبت فرماتا ہے کہ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ [10] کہ یہ امن کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ پھر مسلمان کا اپنا نام بھی "مسلم" ہے یعنی دنیا میں امن قائم کرنے والا۔ نماز کا نام عربی میں "اَلصَّلٰوۃُ" ہے۔ جس کا مفہوم ہے شفقت، رحمت، برکت یعنی ان راہوں پر چلاتی ہے جن پر چلنے سے انسان شوخی و شرارت سے بچ جاتا ہے فسق و فجور سے نجات پالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت پالیتا ہے اور اس کی طرف سے اسے برکت میسّر آجاتی ہے۔ پھر مسلمان کسی دوسرے سے ملتے ہیں تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں کہ تم پر اللہ کی سلامتی ہو تم اللہ کی طرف سے امن میں کئے جاؤ۔ آگے جواب دینے والا کہتا ہے تم پر بھی سلامتی ہو۔ کیا جو منہ سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے گا کیا وہ آگے جا کر تلوار ہاتھ میں پکڑ لے گا؟ عقل اسے نہیں تسلیم کرتی۔ پھر ہماری نماز کا اختتام بھی سلام پر ہے مسلمان جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو قبل اس کے کہ خدا کے دربار سے رخصت ہو وہ دائیں بائیں منہ کر کے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ کہتا ہؤا دنیا میں سلامتی اور امن پہنچاتا ہے۔ اب کوئی بتائے کہ جس کے دائیں بھی امن اور بائیں بھی امن آگے بھی پیچھے بھی امن، نیچے بھی امن اوپر بھی امن ہو جس کا نام امن جس کا کام امن کیا وہ امن کا دشمن اور تشدد اور جبر کا حامی ہو سکتا ہے۔

اسلام پر بے جا الزام

لیکن فرض کر لو اسلام میں جبر کی تعلیم نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں نے جبر کیا تو پھر اب اس شور کا بلند کرنا کیا فائدہ دے گا؟ کیا اس سے جبر واپس آ جائے گا یا کیا جبر جبر کی پکار لگانے سے اسلام جھوٹا ثابت ہو جائے گا؟ اسلام اگر جھوٹا ہے تو مسلمان جبر نہ بھی کرتے تو بھی سچا ثابت نہیں ہو سکتا اور اگر سچا ہے تو مسلمان جبر بھی کریں تو بھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ پس اگر واقعہ میں مسلمانوں نے جبر کیا تو اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ انہوں نے غلطی کی نہ یہ کہ اسلام جھوٹا ہے اسلام ہرگز جھوٹا نہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور خدا کا دین ہے۔ ایک شخص اگر علم کی قدر نہ کرے یا ایک طالبعلم اگر علم کو صحیح طور پر نہ سمجھے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس طالبعلم میں نقص ہے نہ یہ کہ علم خراب شئے ہے۔ پس بفرض محال اگر کوئی ایسا واقعہ ہؤا بھی ہے جسے ہندو جبر سے نامزد کرتے ہیں تو وہ ان مسلمانوں کی غلطی تھی جن کا تعلق اس سے تھا یہ نہیں کہ چند افراد کی غلطی سے اسلام پر الزام لگایا جائے کہ وہ جبر کی تعلیم دیتا ہے۔

ہندوؤں کے جبر

اگر ہندو باوجود ان حالات کے اسلام پر جبر کا الزام لگانے سے باز نہ آئیں گے تو پھر دیکھو ہمارے منہ میں بھی زبان ہے ہم بھی جبر کے وہ واقعات بیان کر سکتے ہیں جو ہندوؤں نے دوسروں پر کئے اور غلط نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر کہتا ہوں اگر زیادہ نہیں تو ہندوؤں کو وہ جبر تو ماننے پڑیں گے جو انہوں نے باہر سے آنے والی قوموں پر کئے۔ تمام تاریخیں متفق ہو کر بتاتی ہیں کہ یونانی، ایرانی، سیتھین اور بعض چین کی قومیں ہندوستان میں آئیں جنہوں نے اسے فتح کیا اور پھر وہ واپس نہیں گئیں۔ یہ قومیں بہت بڑی تعداد میں تھیں حتیٰ کہ ایک قوم نے سو سال تک پشاور سے متھرا تک حکومت کی ہے تاریخیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ ہندوستان میں آئیں اور اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ چار زبردست قوموں کے ریلے ہوئے اور ساٹھ ستر بلکہ سو سال تک انہوں نے اس ملک میں حکومت کی مگر بعد میں ان کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا ہوئیں۔ البتہ ان کی یعنی ہندوؤں کی چار قومیں نظر آتی ہیں جس سے یہ قیاس گزرتا ہے کہ یا تو ان قوموں کو مار ڈالا گیا یا ملک سے باہر نکال دیا گیا اور یہ جبر تھا یا پھر ان کو جبراً ہندو بنایا گیا ورنہ وہ چالیس لاکھ انسان کس کنویں میں غرق ہو گئے جو باہر سے ہندوستان میں آئے اور حکومت کرتے رہے۔ پس تاریخی طور پر جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جبر ہندوؤں پر نہیں ہؤا بلکہ انہوں نے دوسروں پر کیا۔ اسی طرح بدھوں کی تباہی ہے بدھ ہندوستان میں حاکم تھے ان کو اس ملک سے یکدم مٹا دیا گیا

ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چار راجپوت اگنی کنڈ سے پیدا ہوئے اور انہوں نے ان کو تہ تیغ کیا۔ اوّل تو خواہ وہ اگنی کنڈ سے پیدا ہوئے یا آسمان سے گرے بہرحال انہوں نے بدھوں کو تہ تیغ کیا اور اب اس مذہب کا اس ملک سے نام ونشان بھی قریباً مٹ گیا ہے۔ لیکن دوسرا سوال یہ ہے کہ اگنی کنڈ سے چار راجپوت تو الگ رہے۔ ایک چوہا بھی پیدا نہیں ہو سکتا اگر ہو سکتا ہے تو آج ہندو صاحبان ایسا کر کے دکھا دیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہی باہر سے آنے والی چار قومیں جن کا نام ونشان اب مٹ گیا ہے انہیں لالچ دے کر کہ ان کو راجپوت کا درجہ دے دیا جاوے گا راجپوت بنا کر بدھوں کو تہ تیغ کرنے پر مقرر کی گئی ہیں اور اس ناجائز سمجھوتہ کا نام اگنی کنڈ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ادھر بدھ اس ملک سے غائب ہوتے ہیں ادھر یہ باہر سے آئی ہوئی قومیں غائب ہو جاتی ہیں۔ پس صاف ثابت ہے کہ سیتھین اور یونانی وغیرہ اقوام پر ہندوؤں نے جبر کیا یا لالچ دے کر ہندو بنا لیا۔ یہ ہے ان لوگوں کے جبر کا نمونہ۔ مگر نہ وہ لوگ موجود ہیں جن پر جبر کیا گیا اور نہ ہی وہ جنہوں نے جبر کیا۔ وہ دونوں گزر گئے اب اگر ہم بھی ان کی طرح شور مچانا شروع کر دیں تو کیا آپ لوگ امید کر سکتے ہیں کہ امن قائم رہے گا۔ پس اگر ہندو امن پسند ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ امن اسی طرح ہو سکتا ہے کہ پچھلی باتوں کو چھوڑا جائے اور آئندہ کے لئے رواداری برتی جائے اور مساوات کا خیال رکھا جائے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو ملک میں امن بھی نہیں ہو سکتا پس اگر فی الواقع امن پیدا کرنا چاہتے ہیں تو رواداری قائم کریں اور مساوات برتیں۔

غلط طریق عمل

اب تک یہ طریق رہا ہے کہ جس قوم کے فرد سے کوئی قصور ہوتا وہ قوم بجائے اس کے کہ قصوروار کو ملامت کرتی اور جس کا اس نے قصور کیا اس سے معذرت خواہی ہوتی یہ کرتی ہے کہ مجرم کی تائید شروع کر دیتی ہے جس سے بجائے امن اور صلح کے فتنہ وفساد بڑھتا ہے کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ اگر قصور کرنے والے کی تائید کی جائے تو جس کا اس نے قصور کیا ہوتا ہے اس کا غصہ بھی تیز ہو جاتا ہے اور مجرم بھی دلیر ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی اسی قسم کے افعال کرنے کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض اس وقت تک یہی ہوتا رہا ہے کہ مسلمانون کا کوئی آدمی اگر قصوروار ہوتا تو مسلمان اس کی تائید میں شور مچا دیتے اور ہندوؤں کا کوئی آدمی قصور کرتا تو ہندو اس کی حمایت میں کھڑے ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے فساد بڑھتا گیا اور امن قائم نہ ہو سکا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک ترقی کرنے سے رک گیا مگر اب یہ حالت نہیں رہی۔ میں ہندوؤں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے بھی اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کی۔

واقعات بتاتے ہیں کہ انہوں نے بالکل اس میں تبدیلی نہیں کی۔ ہاں مسلمانوں نے ایک عظیم الشان تبدیلی اپنے اندر پیدا کرلی ہے جو امن پیدا کرنے والی ہے

مسلمانوں کی حالت میں تبدیلی

ایک تازہ واقعہ جس نے ملک میں ہلچل مچادی ہے اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف کھڑا کر دیا وہ شردھانند جی کا قتل ہے۔ کس نے انہیں قتل کیا میں نہیں جانتا مگر جس نے کیا اس کے فعل کو صرف میں ہی نہیں کہتا بلکہ سارا ہندوستان بلکہ افغانستان بھی بُرا کہتا ہے بلکہ اور بھی جس جس اسلامی ملک میں یہ آواز پہنچی وہاں لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس فعل کے مرتکب نے بُرا کام کیا ہے۔ پس ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسلمانوں کا اس واقعہ کے متعلق یہ کہنا کہ جس نے کیا بُرا کیا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں نے اپنی حالت بدل لی ہے اور وہ بات جو ہندوؤں کی طرح پہلے ان میں پائی جاتی تھی وہ نہیں رہی اور اس کی بجائے ایسا طریق اختیار کیا گیا ہے جو امن قائم کرنے والا ہے اور وہ طریقہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اظہار نفرت کا ہے۔ سو مسلمان اس شخص کی تائید کر سکتے تھے لیکن انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی اور صاف صاف کہدیا کہ قاتل نے بُرا کیا انہوں نے اپنے اندر ایک تبدیلی کرلی ہے اور یہ تبدیلی نہایت مبارک ہے لیکن ہندوؤں نے کوئی تبدیلی نہیں کی جس کا افسوس ہے۔

نبی کریمؐ کو گالیاں مت دو

شردھانند جی کے قاتل کو میں نے بھی بُرا کہا اور مسلمانوں نے بھی کہا۔ دوسرے ملکوں کے مسلمانون نے بھی کہا لیکن اس ہماری شرافت کا نتیجہ کیا نکلا ہم نے تو ہندوؤں سے ہمدردی کرتے ہوئے کہا کہ قاتل نے بُرا فعل کیا ہے لیکن ہندوں نے اُلٹا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینی شروع کر دی ہیں۔ اول تو یہ منطق نرالی ہے کہ اگر ایک مسلمان کہلانے والے نے مارا تو سب نے مارا۔ اگر ایک اس فعل کی وجہ سے بُرا ہے تو مسلمان سب بُرے ہیں لیکن اس کو تسلیم کر کے بھی ہم کہتے ہیں کہ ہم سب بُرے سہی قاتل سہی جس قدر چاہو بُرا کہو ہمیں سزا دے لو، ہمارے ساتھ سختی کرلو، ہمیں گالیاں چھوڑ گولیاں مار لو لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہ دو، اس کو بُرا نہ کہو، اس کی شان گستاخی نہ کرو۔ ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں لیکن نہیں اگر برداشت کر سکتے تو اس مقدس ہستی کی توہین نہیں برداشت کر سکتے۔ اس پاک وجود کے متعلق گالیاں نہیں برداشت کر سکتے۔ ہاں وہ جس نے دنیا میں امن قائم کیا امن کی تعلیم دی وحشی انسانوں کو انسان بنادیا اور دنیا

کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں کھڑا کر گیا اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ وہ ظالم اور مفسد تھا اور یہ فعل اس کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

ہم کون ہیں؟

یاد رکھو ہم وہ لوگ ہیں جن کے ایک ایک آدمی کو مخالفین پکڑ کر لے گئے اس کو سخت ایذائیں پہنچائیں تکلیفیں دیں یہاں تک کہ اس کے جسم میں سوئیاں چبھوئی گئیں اس کے سامنے ایک سولی لٹکائی گئی اور اسے بتایا گیا یہ تمہارے لئے ہے ان تکلیفوں کے درمیان اس سے پوچھا گیا کیا تم چاہتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے سبب تمہیں یہ تکلیفیں پہنچ رہی ہیں یہاں ہوتا اور ان تکلیفوں میں مبتلاء ہوتا اور تم گھر میں آرام کرتے؟ یہ بات سن کر وہ نہایت اطمینان اور سکون سے مسکراتا ہؤا کہتا ہے تم تو کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہوں اور یہ کہ کیا میں پسند کر سکتا ہوں کہ تکالیف ان کو پہنچ رہی ہوں اور میں اپنے گھر آرام سے بیٹھا ہؤا ہوں لیکن مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چُبھے اور میں گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔[11]

غرض ہمارے جسم کا ہر ذرہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے کا متمنی ہے ہماری جان بھی اسی کے لئے ہے ہمارا مال بھی اسی کے واسطے ہم اس پر راضی ہیں بخدا راضی ہیں۔ پھر کہتا ہوں بخدا راضی ہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے بچے قتل کر دو ہمارے دیکھتے دیکھتے ہمارے اہل وعیال کو جان سے مار دو لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہ دو۔ ہمارے مال لوٹ لو ہمیں اس ملک سے نکال دو لیکن ہمارے سردار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور توہین نہ کرو۔ انہیں گالیاں نہ دو۔ اگر یہ سمجھتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے سے تم جیت سکتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ گالیاں دینے سے تم رک نہیں سکتے تو پھر یہ بھی یاد رکھو کہ کم سے کم ہم تمہارا اپنے آخری سانس تک مقابلہ کریں گے اور جب تک ہمارا ایک آدمی بھی زندہ ہے وہ اس جنگ کو ختم نہیں کرے گا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام مت دھرو

میں نے قادیان سے بھی یہ اعلان کیا تھا کہ شردھانند جی کے قتل کا فعل بہت بُرا فعل ہے اور جس نے کیا اس نے کوئی اچھا کام نہیں کیا لیکن یہ ایک شخص کا انفرادی فعل ہے اسلام کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور اسلام کو اس سے ملزم نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ مگر میں یہاں تک دیکھتا ہوں کہ آریوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہؤا اور

یہ اور بھی آگے بڑھے یہاں تک کہ ہمارے اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس پر ہم اپنی عزت، اپنی آبرو، اپنی جان، اپنا مال، اپنی اولاد غرضیکہ ہر ایک شئے قربان کرنے کو تیار ہیں پہلے سے بھی زیادہ گالیاں دینے لگ گئے ہیں۔ میں بھی چونکہ مسلمان ہوں اور خدا کے فضل سے ان مسلمانوں میں سے ہوں جنہیں خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں اسلام کی خدمت کے لئے چُن لیا میرے دل میں درد ہے اور سب سے بڑھ کر درد ہے میں نے جب دیکھا قادیان سے جو ہمدردی کی آواز میں نے اٹھائی تھی اس پر کان نہیں دھرا گیا تو میں نے محسوس کیا مجھے قادیان سے باہر جا کر یہ آواز لوگوں تک پہنچانی چاہئے اور میں اسی درد کو لے کر لاہور آیا ہوں اور میں اسی درد سے یہ لیکچر دے رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اسے توجہ سے سنیں اور جو میں کہتا ہوں اسے مانیں اور میں سوائے اس کے کیا کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہ دو اور ایک شخص کے فعل سے جسے ساری قوم برملا بُرا کہہ رہی ہے اس کی ساری قوم اور ہماری قوم کے پیشوا اور ہادی کو اس کا مجرم نہ ٹھہراؤ اگر آپ لوگوں کی عورتیں اور بیویوں اور بچوں اور ماؤں اور باپوں اور رشتہ داروں کو گالیاں دی جائیں اور ان پر عیب لگائے جائیں حالانکہ ان میں عیب ہوتے بھی ہیں تو کیا آپ خاموش رہ سکتے ہیں اور آرام سے بیٹھ سکتے ہیں اگر نہیں تو کیا ہم سے ہی یہ توقع ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جنہیں ہم اپنی جان ومال عزیزوں رشتہ داروں سے کہیں زیادہ عزیز سمجھتے ہیں گالیاں سنیں اور خاموش رہیں اور آرام سے بیٹھے رہیں۔ یقیناً ہم خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔ جب تک آپ لوگ تسلیم نہ کرلیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دیں گے۔

گالیاں دینے والوں سے صلح نہیں ہو سکتی

ہم لڑیں گے نہیں اور نہ ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ لڑا جائے مگر ہم صلح بھی نہیں کر سکتے کہ ہمارے پیارے رسول کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ ہماری اس وقت تک اس شخص سے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے صلح نہیں ہو سکتی جب تک وہ گالیاں ترک نہ کرے۔ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود نے بھی ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میں جنگل کے سانپوں سے صلح کرلوں گا لیکن اگر نہیں کروں گا تو ان لوگوں سے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ان پر ناپاک حملے کرتے اور ان کے حق میں طرح طرح کی بد زبانی کرتے ہیں [۱۲] ہم صلح پسند ہیں لیکن ہم اس بات کو بھی پسند کرنے والے نہیں کہ صلح وآشتی کی تعلیم دینے والے کو بُرا کہا جائے۔ ہم بہرے تھے

اس نے ہمیں کان دیئے ہم گونگے تھے اس نے ہمیں زبانیں دیں ہم اندھے تھے اس نے ہمیں آنکھیں دیں۔ ہم راہ سے بھولے ہوئے تھے اس نے ہمیں راہ دکھائی خدارا اسے گالیاں نہ دو۔ غور کرو اس نے شردھانند جی کو مارا نہیں اور نہ مروایا ہے اس کا اس معاملے میں کوئی دخل نہیں۔ پھر اسے کیوں گالیاں دیتے ہو۔ جس نے مارا ہے اسے پکڑ لو۔ ایک کو نہیں بہتوں کو پکڑ لو جیسا کہ تم نے پکڑا بھی اور ایک کو مار بھی ڈالا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہ دو۔

وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کا فرض

اب میں مسلمانوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ انہیں سوچنا چاہئے شُدھی اور سنگٹھن کے ذریعے ہندو کیا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یقیناً اس ذریعہ سے انہیں مٹانا چاہتے ہیں۔ اور جب دوسری قومیں انہیں مٹانا چاہتی ہیں تو مسلمانوں کو ہوشیار ہو جانا چاہئے۔ شدھی اور سنگٹھن سے مسلمانوں پر ایک اثر پڑ رہا ہے اور یہ اثر جہاں تک میں دیکھتا ہوں مضر ہے۔ پس اگر مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کا احترام ہے تو انہیں بیدار ہو جانا چاہئے لیکن میں ساتھ ہی کہوں گا کہ شُدھی اور سنگٹھن سے مسلمانوں کو جوش میں بھی نہیں آنا چاہئے بلکہ انہیں اپنا فرض پہچاننا چاہئے۔ انہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اگر ملکانا شُدھ ہو رہے ہیں تو ہمیں کیا۔ کیونکہ آج اگر ملکانا شدھ ہو جائیں تو کل دوسروں کی باری بھی آجائے گی۔ پس اس سے بے پروا نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ملکانوں کو شدھ ہونے سے نہ بچایا گیا تو کل دوسرے بھی ہو جائیں گے۔ اگر ایک دیوار کے نیچے سے ایک اینٹ نکال لیں تو پھر دوسری آسانی کے ساتھ نکل سکتی ہے تیسری آپ ہی نکل آتی ہے پھر چوتھی پانچویں غرضیکہ ایک وقت آتا ہے کہ دیوار کی دیوار ہی گر پڑتی ہے۔ پس ملکانوں کی حفاظت ہمارا فرض ہے اور ہمیں اس فرض کے پورا کرنے میں غفلت نہیں کرنی چاہئے۔

سرحد پر گھوڑے باندھو

اگر اسلام کی تڑپ ہے، اگر چاہتے ہو اسلام ترقی کرے، اگر چاہتے ہو مسلمان مسلمان رہیں اور دوسری قوموں میں جذب ہونے سے بچے رہیں تو خود مسلمانوں کو چاہئے مسلمان بن کر رہیں۔ اسلام کا کوئی حکم نہ ہو جسے وہ کر سکتے ہوں اور نہ کریں۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں آج اگر کل کی فکر کرو گے تو کل کا فکر کم ہو جائے گا آج جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے اس کی فکر کرو اور اس کے علاج کی طرف توجہ کرو تا آج کا بھی علاج ہو اور کل کا بھی۔ آج ملکانے شدھ کئے جا رہے ہیں۔ ان کو بچاؤ گے نہیں تو کل دوسرے لوگ شدھ ہونگے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا

وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ [۳۱] مؤمن کو سرحد پر گھوڑے باندھنے چاہئیں یعنی سرحدوں کی حفاظت کرنی چاہئے۔ ہندوستان کی ادنیٰ اقوام ہماری سرحد ہیں ہمیں چاہئے اپنی سرحد پر گھوڑے باندھیں اور ان کی حفاظت کریں۔ اگر دشمن نے اس سرحد پر قبضہ پالیا اور ادنیٰ اقوام کو اپنے ساتھ ملالیا تو پھر جیسے دشمن سرحد سے گذر کر وسط ملک میں پہنچ جاتا ہے اسی طرح ہندو اچھوت اقوام سے گذر کر خود مسلمان قوموں پر حملہ کر دیں گے۔ پس ہمیں چاہئے کہ ہم ہوشیاری کے ساتھ سرحدوں کی حفاظت کریں اور ادنیٰ اقوام کو جو ہماری سرحد ہیں ان لوگوں کی دستبرد سے بچائیں۔ ملکانوں کو بچانا اور بھی ضروری ہے کیونکہ وہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ اسلام کی حفاظت اور اشاعت ہمارے لئے فرض ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس ذمہ داری کو جو بطور فرض ان کے سر پر ہے پوری کریں اور خود بھی مسلمان بن کر رہیں اور کمزور مسلمانوں اور ادنیٰ اقوام کے مسلمانوں اور دُور اُفتادہ مسلمانوں کی بھی حفاظت کریں۔ اگر مسلمان ہوشیار نہ ہوئے اور اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی انہوں نے کوشش نہ کی تو کم از کم میں خدا کے سامنے یہ کہہ سکوں گا کہ میں نے بریڈ لاہال میں ۲۔ مارچ ۱۹۲۷ء کو کہہ دیا تھا اور لوگوں کو ان کا فرض یاد دلا دیا تھا لیکن اے خدا! تیرے بندے غفلت میں رہے اور انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔

مسلمانوں کا آئندہ طریق کار

اب میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو ان کے لئے آئندہ کے واسطے وہ طریق عمل بتاؤں جس پر انہیں چلنا چاہئے اور جن کی انہیں از حد ضرورت ہے۔ سب سے پہلی بات جو میں انہیں کہتا ہوں یہ ہے کہ وہ پہلے خود پکے مسلمان بنیں۔ شاید مجھے تعلیم یافتہ لوگ پاگل کہیں کہ ہر ایک عیب کا علاج اسلام پر عمل بتاتا ہے مگر وہ خواہ کچھ کہیں حق یہی ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کا اصل ذریعہ یہی ہے۔

ہر کام میں تدبیر

سب سے پہلی بات جو میں نے کہی کہ پکے مسلمان بن جاؤ اس کے ساتھ میں دوسری بات جو بتاتا ہوں اور وہ بھی از حد ضروری ہے وہ ہے تدبیر۔ تدبیر سے کام مسلمانوں کا خاص کام ہے اور مسلمان جانتا ہے کہ ہمارا مذہب تدبیر سکھاتا ہے اور یہ نہیں کہتا کہ خود تو کرو کچھ نہ اور امید رکھو کہ سب کچھ ہو جائے گا۔ مسلمانوں کا مذہب اس بات کا حامی نہیں بلکہ اس بات کا حامی ہے کہ ہر موقع پر تدبیر سے کام لینا چاہئے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ مسلمان کو تدبیر کرنی چاہئے۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اپنا اونٹ باہر چھوڑ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا

تمہارا اونٹ کہاں ہے اس نے عرض کی اللہ کے توکّل پر اسے باہر ہی چھوڑ آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا جا پہلے اسے رسّہ سے مضبوط باندھ اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھ۔[۱۴] اس کا یہی مطلب ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو تدبیر کی تعلیم دینا چاہتے تھے کہ انسان کا کام اور بالخصوص ایک مسلمان کا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ ہر معاملے میں تدبیر کرے اور ساتھ ساتھ دعا کے سلسلے کو جاری رکھے اور پھر خدا پر توکّل کرے۔ اس کے مطابق میں بھی آج آپ لوگوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں آپ صحیح معنوں میں مسلمان بنیں وہاں صحیح تدبیر کرنے والے بھی ہو جائیں اور جب وہ کریں گے تو خدا تعالیٰ ان کا محافظ ہو جائے گا اور خود ان کی حفاظت کرے گا اور دشمن کے حملوں کا شکار نہیں ہونے دے گا۔

مسلمان سات کروڑ ہو کر ڈر رہے ہیں

قرآن شریف میں آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [۱۵] یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی کوئی نعمت نہیں چھینتا جب تک وہ آپ اس نعمت کو خراب نہ کر دے اور اس کی بے قدری کر کے اس قابل نہ ہو جائے کہ اس سے نعمت واپس چھین لی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو خراب کرنا اور ان کی بے قدری کرنا یہی ہے کہ ان کا صحیح استعمال نہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حکم دیا کہ مسلمانوں کی مردم شماری کی جائے۔ یہ بالکل ابتدائی زمانہ کی بات ہے مردم شماری کی گئی تو صحابہ کی تعداد سات سو نکلی۔ صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حضور نے مردم شماری کیوں کرائی ہے کیا آپ کا خیال تھا کہ ہم تباہ نہ ہو جائیں اب تو ہم سات سو ہو گئے ہیں اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں تباہ نہیں کر سکتی۔[۱۶] صحابہ سات سو تھے اور ان کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنی اس تعداد کو بہت بڑی تعداد سمجھتے تھے اور حیران ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہے تھے کہ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں تباہ نہیں کر سکتی۔ آج مسلمان سات سو نہیں صرف ہندوستان میں سات کروڑ سے بھی زیادہ ہیں مگر پھر بھی ڈرتے ہیں۔ صحابہ باوجود قلیل التعداد ہونے کے دنیا کی طاقتوں سے کیوں نہیں ڈرتے تھے اور اس ملک کے مسلمان سات کروڑ سے بھی زیادہ ہو کر دنیا کے ادنیٰ لوگوں سے کیوں ڈر رہے ہیں۔ یہ ایک سوال ہے جو بالطبع یہاں پیدا ہوتا ہے مگر اس کا حل نہایت آسان ہے اور وہ یہ کہ وہ خدا کے ہو چکے تھے اور خدا ان کا ہو چکا تھا اس لئے خدا ان کی ہر موقع پر مدد اور حفاظت فرماتا تھا مگر مسلمان آج خدا کے ساتھ تعلقات توڑ چکے ہیں اس لئے اس نے بھی ان کی طرف سے منہ موڑ لیا

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جرأت جو خدا کے بندوں میں ہوتی ہے اِن میں نہیں اور اس جرأت کے نہ ہونے سے یہ ادنیٰ ادنیٰ لوگوں سے ڈر رہے ہیں۔

مسلمان اسلامی خزانہ کے محافظ ہیں

ممکن ہے کوئی کہے دوسری قومیں بھی اس حالت میں ترقی کر رہی ہیں اور اگر مسلمان بھی اسی حالت میں ترقی کرنے کے لئے کوشش کریں تو ان کو کیوں ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کے لئے یہی شرط ہے کہ وہ خدا کے ہو جائیں اور خدا ان کا ہو جائے اور جب خدا کسی کا ہو جائے تو پھر ترقی کوئی روک نہیں سکتا۔ اسلام کی تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھ لو عرب کے ان لوگوں میں جن کے غیر مہذب اور غیر متمدن ہونے کے قصے تمام علاقوں میں مشہور ہیں وہ خوبی پیدا ہو گئی کہ یکدم ان کی حالت پلٹ گئی اور وہ جو غیر مہذب تھے تہذیب کے استاد مانے گئے اور جو غیر متمدن تھے ان کا تمدن دنیا کا تمدن قرار پا گیا اور جو غیر تعلیم یافتہ تھے معلّم تسلیم کئے گئے اور جو حکمرانی کے طریق سے نابلد تھے حکمران بنا دیئے گئے۔ یہ سب باتیں اسی لئے حاصل ہوئی تھیں کہ وہ اللہ کے ہو گئے تھے اور اللہ ان کا ہو گیا تھا۔ اب بھی اگر اس نسخہ کو استعمال کیا جائے تو یہی اثر ہو سکتا ہے۔ پس اگر یقین ہے کہ اسلام سچا ہے اور اس یقین کے ہوتے ہوئے مسلمان اس سے تعلق کاٹ کر ترقی حاصل کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے کیونکہ وہ اسلام کے خزانہ کے محافظ مقرر کئے گئے ہیں اگر وہ اس خزانہ کی طرف سے غفلت کر کے کسی اور طرف توجہ کریں گے تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بھی یہ سلوک ہو گا کہ ان کی طرف سے منہ پھیر لے گا اور جب بھی وہ اس کو چھوڑ کر دنیا کی طرف متوجہ ہوں گے تکلیف اور نقصان اٹھائیں گے۔ دوسروں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو پہلے ہی سچے مذہب پر نہیں ہیں اگر وہ اپنے مذہب سے غفلت کریں تو اس سے سچائی کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ پس اس وقت کی آفات سے بچنے کا علاج یہی ہے کہ پکے مسلمان بن جاؤ تا خدا تعالیٰ تمہارا بن جائے اور ہر موقع پر تمہاری حفاظت فرمائے اور ہر جگہ اپنی مدد تمہیں عطا کرے۔

اتحاد بین المسلمین

دوسری بات جس کی طرف میں آپ لوگوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ اتحاد بین المسلمین ہے یعنی مسلمانوں کے بے شمار فرقوں کے درمیان اتحاد و اتفاق۔ مسلمان اس وقت کئی فرقوں پر تقسیم ہو چکے ہیں اور یہ فرقے آپس میں ایک دوسرے کے مخالف بلکہ دشمن ہو رہے ہیں جس سے مسلمانوں کو بحیثیت قوم نقصان پہنچ رہا ہے اور

اگر وہ اتحاد اور اتفاق نہیں کریں گے تو دوسری قومیں ان کو آسانی سے مٹا دیں گی اس موقع پر میں ایک مولوی اور ایک سید اور ایک عام آدمی کا قصہ سناتا ہوں جو واقعی اس قابل ہے کہ اس سے سبق حاصل کیا جائے۔ مولوی، سید اور ایک اور آدمی یہ تینوں کسی سفر پر گئے۔ راستہ میں ان کو ایک باغ ملا جس میں گھس گئے اور میوے توڑنے شروع کر دیئے کچھ تو کھائے اور کچھ توڑ توڑ کر ضائع کئے۔ اتنے میں باغ کا مالی آگیا اس نے دیکھا تو دل میں سوچا میں اکیلا ہوں اور یہ تین ہیں اگر میں انہیں کچھ کہتا ہوں تو تینوں میرا بھرکس نکال دیں گے چاہئے کہ تدبیر سے ان پر قابو پاؤں۔ یہ سوچ کر وہ ان کے پاس آیا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بڑے نرم الفاظ میں سید سے کہنے لگا آپ سید ہیں سب کچھ آپ کا ہی ہے اور مولوی لوگ رسول کریم کی گدی پر بیٹھنے والے ہیں مگر یہ تیسرا کون ہے جو آپ کی برابری کرے اور دوسرے کو نقصان پہنچائے اس پر سید اور مولوی چپکے کھڑے رہے اور اس نے تیسرے آدمی کو خوب مارا اور ہاتھ پاؤں باندھ کر الگ رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ پھر سید سے مخاطب ہو کر کہنے لگا آپ تو آل رسول ہیں سب کچھ آپ کا ہی ہے مگر یہ مولوی کون ہے جو خواہ نخواہ حصہ دار بن بیٹھا ہے یہ کہہ کر اس نے مولوی صاحب کو پکڑ لیا اور خوب مارا اور سید صاحب الگ کھڑے دیکھتے رہے کہ ہم تو اصل مالک ہیں یہ اس ڈاکو کو مار رہا ہے۔ پھر زمیندار نے اس کو بھی باندھ کر ایک طرف پھینک دیا۔ پھر سید کی طرف لپکا اور کہا کہ تُو آل رسول بنا پھرتا ہے شرم نہیں آتی لوگوں کا مال بغیر اجازت کے کھاتا ہے اور ان کو نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے سید صاحب کو بھی خوب پیٹا اس ترکیب سے اس نے تینوں کو سزا دے لی۔ مسلمان بھی اگر اسی طرح رہے اور اتفاق و اتحاد نہ کیا تو خطرہ ہے کہ ان تینوں کی طرح ایک ہی قوم کے ہاتھ سے تباہ ہو جائیں گے۔ پس میرے نزدیک موجودہ حالات کے لحاظ سے یہ بہت ضروری ہے کہ اتحاد بین المسلمین ہو ورنہ دوسرے لوگ مسلمانوں کو کچل ڈالیں گے اور مسلمان اگر متحد نہ ہوئے تو منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے۔

اشتہار کا جواب

اب میں اس اشتہار کے سوال کا جواب دیتا ہوں جو مجھے ابھی ملا ہے اور جس میں یہ سوال ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان کہتا ہوں کہ کافر۔ مگر پیشتر اس کے کہ میں جواب دوں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو بات صاحب اشتہار نے پوچھی ہے وہ پہلے سے ہی میرے اس لیکچر کے نوٹوں میں شامل ہے اور مجھے خود اس پر بولنا تھا۔ اب انہوں نے وہی بات پیش کی ہے اس لئے میں ان کی توجہ کے لئے اور دوسرے لوگوں کے واسطے کہتا ہوں کہ میں نے

مسلم لیگ کے جلسہ پر جو لاہور ہوا تھا بتا دیا تھا کہ کسی سے یہ کہنا کہ اپنے مذہب کے لحاظ سے جو تم خیال رکھتے ہو اسے چھوڑ دو اور پھر ہماری طرف صلح کے لئے آؤ یہ سراسر غلط طریق ہے اور مسلمانوں کے فرقوں کے درمیان اس رنگ میں قیامت تک بھی صلح کا ہونا ناممکن ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ سیاسی نقطہ خیال کے مطابق ہر شخص جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مدعی ہے اور آپ کی شریعت کو منسوخ نہیں قرار دیتا اور کسی جدید شریعت کا قائل نہیں ہے اس کو مسلمان قرار دیا جائے ایسے لوگوں کے درمیان اتحاد ہو۔ پھر میں نے آل مسلم پارٹیز کانفرنس کے موقع پر بھی بتایا تھا اب پھر کہتا ہوں کہ اسلام کی اس زمانہ میں دو تعریفیں ہیں ایک مذہبی اور ایک سیاسی۔ اب ان تعریفوں سے الگ رہ کر کہنا کہ صلح کر لو ایک غلطی ہے جو سخت نقصان پہنچانے والی ہے۔ اسلام کی مذہبی تعریف کے لحاظ سے ایک لحظہ علیحدگی اختیار کر کے اسلام کی سیاسی تعریف کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک عیسائی یا ایک ہندو کسے مسلمان سمجھتا ہے؟ کیا وہ دیوبندیوں کو مسلمان سمجھتا ہے اور باقی سب کو غیر مسلم؟ کیا وہ احمدیوں کو مسلمان سمجھتا ہے اور باقی سب کو کافر؟ کیا وہ شیعہ لوگوں کو مسلمان سمجھتا ہے اور باقی سب کو کافر؟ نہیں وہ سب کو مسلمان سمجھتا ہے خواہ کوئی دیوبند کا ہو، خواہ قادیان یا فرنگی محل کا۔ اس کے لئے سب ایک ہیں اور وہ سب کے ساتھ ایک ہی قسم کا سلوک کرے گا کیونکہ ہندو یا عیسائی قوم کو اس سے بحث نہیں کہ اسلام کی مذہبی تعریف کے لحاظ سے کون کون مسلمان ہے اور کون کون کافر بلکہ وہ سلوک کرتے وقت یہ دیکھیں گے کہ کون لوگ مسلمان کہلاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ ان کو تو اسلام کے فلاں فرقہ نے کافر قرار دیا ہوا ہے یا فلاں فرقہ کو فلاں فرقہ نے اپنے سے علیحدہ کر دیا ہے وہ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکیں گے اس لئے ضروری ہے کہ سیاسی تعریف کے رو سے مسلمانوں کے تمام فرقے اکٹھے ہو جائیں۔ مذہبی تعریف کے لحاظ سے ہم جس کے متعلق چاہیں کہیں لیکن سیاسی امور کے لحاظ سے ہمیں ایک جگہ متحد ہو جانا چاہئے کیونکہ دوسری قومیں مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مسلمان سمجھتی ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے فرقے ایک دوسرے کو کافر سمجھتے ہیں۔ بریلوی دیوبندیوں کو اسی طرح شیعہ سنّیوں اور سنّی شیعوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کو کافر کہیں یا نہ کہیں مگر عقیدتاً ایسا سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد اتحاد میں مانع نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے بغیر اتحاد نہیں ہو سکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب چھڑایا جائے اور مذہب چھوڑ کر قیامت تک بھی صلح نہیں ہو سکتی۔

آزادیٔ رائے

اتحاد بین المسلمین کے لئے دوسری چیز جس کی ضرورت ہے وہ آزادی رائے ہے باہمی اتحاد کے لئے اس کی اشد ضرورت ہے اگر اسے نظرانداز کر دیا جائے تو اتحاد نہیں ہو سکتا اگر ہو جائے تو قائم نہیں رہ سکتا۔

اِخْتِلاَفُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ

آزادی رائے کے ساتھ ہی اختلاف رائے پیدا ہوتا ہے اور یہ مضر نہیں ہوا کرتا بلکہ رحمت اور برکت کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔ اِخْتِلاَفُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ [12] میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہو گا۔ یعنی امت کی حد میں رہ کر جس قدر اختلاف وہ کریں وہ مُضِر نہ ہو گا بلکہ مفید ہو گا۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ تمام ترقیاں اختلاف رائے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر پچھلے پہلوں سے اختلاف نہ کرتے تو حساب، سائنس، کیمسٹری، فزکس، علم طبقات الارض اور ہیئت اور دوسرے علوم میں کوئی بھی ترقی نہ ہوتی۔ لوگ اپنی جگہوں پر کھڑے رہتے اور پھر قانون قدرت کے اس اصل کے ماتحت کہ جو کھڑا ہوا رہ گیا' وہ تباہ ہو جاتے اور نسل انسانی برباد ہو جاتی۔ پس اختلاف تو ایک ضروری اور مفید شئے ہے اس کا مٹانا قوم کے لئے زہر ہے۔ ہاں اس کا حد کے اندر رکھنا بھی نہایت ضروری ہے تا دریا کی طرح اپنے پاٹ سے باہر ہو کر تباہی اور بربادی کا موجب نہ ہو۔ میں جب ولایت سے واپس آیا تو میں نے اپنے سیکرٹریوں میں سے ایک کو گاندھی جی کے پاس بھیجا کہ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں انہوں نے دہلی کے پروگرام میں فرق کر کے بمبئی میں مجھ سے ملاقات کا وقت مقرر کیا میں نے عند الملاقات ان کو اس مسئلہ کی طرف توجہ دلائی کہ کانگرس اس وقت تک ملک کی نمائندہ نہیں ہو سکتی جب تک ہر خیال کے آدمی اس میں شامل نہ ہوں۔ صرف وہی جماعت ملکی نمائندہ کہلائے گی جس میں اختلاف خیالات رکھنے والے بھی ہوں۔ اختلاف کی حد بندی ہونی چاہئے یہ نہیں ہونا چاہئے کہ یونہی فساد کھڑا کر دیا جائے۔ ہمیشہ نرمی اور محبت کو استعمال کیا جائے۔ پس ہمیں چاہئے کہ اختلاف کی حد بندی تو کریں اور اتحاد بین المسلمین کے لئے آزادی رائے کو قربان نہ کریں بلکہ اس کی موجودگی میں اتحاد کی بنیاد رکھیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کا اپنے اپنے لیڈروں سے سلوک

ہندوؤں میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ باوجود اختلاف رائے کے قومی مقاصد کے لئے متحد ہوتے ہیں۔ پچھلے دنوں جب شورش ہوئی تو ہندو لیڈروں میں سے گاندھی جی ایک طرف تھے اور پنڈت مالوی صاحب ایک

طرف۔ اسی طرح مسلمانوں میں مولوی محمد علی اور ابوالکلام ایک طرف اور مسٹر جناح اور سر شفیع ایک طرف۔ جس طرح گاندھی جی اور مالوی جی کا اختلاف تھا اسی طرح محمد علی اور ابوالکلام صاحب مسٹر جناح اور سر شفیع میں اختلاف تھا لیکن ہندوؤں کی تو یہ حالت تھی کہ جو لوگ مالوی جی کے ہم خیال تھے وہ گاندھی جی کی بھی عزت کرتے اور جو گاندھی جی کے طرف دار تھے وہ مالوی جی سے اظہار خلوص کرتے حالانکہ اس وقت ان دونوں اور ان کے ہم خیال لوگوں میں سخت اختلاف تھا۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں نے یہ طریق استعمال کیا کہ ایک لیڈر کے ہم خیالوں نے دوسرے لیڈر اور اس کے ہم خیالوں کی تذلیل کی اس طرح مسلمانوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں کاٹ لئے۔ میں نے اس وقت مسلمانوں کو سمجھایا کہ جن لیڈروں نے خدمات کی ہیں ان سے یہ سلوک نہیں ہونا چاہئے مگر کسی نے نہ سنا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نان کو آپریشن (NON-COOPRATION) کی پالیسی جب ناکام رہی تو ہندوؤں کی طرف سے مالوی جی نے گورنمنٹ میں کہہ دیا کہ گاندھی جی اصلی لیڈر نہیں ہم لوگ اصل لیڈر تھے اور چونکہ ان کی عزت ہر وقت قائم رہی ان کی بات تسلیم کرلی گئی اور کہا گیا کہ ہندو قوم نے بہ حیثیت قوم جادۂ اعتدال سے اپنا قدم نہیں نکالا تھا لیکن چونکہ مسلمانوں نے اپنے لیڈروں کی ہتک کی تھی وہ یہ نہ کہہ سکے اور مسلمان ہی گھاٹے میں رہے۔ درحقیقت اختلاف پر عداوت کا پیدا کرلینا ایک خودکشی کی پالیسی ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

افراد اور قوم کے حقوق کی نگہداشت

اتحاد کے لئے مختلف فرقوں کے حقوق کی نگہداشت بھی نہایت ضروری ہے

جب تک پورے طور پر اس کا خیال نہ رکھا جائے اتحاد نہیں ہو سکتا۔ چونکہ انفرادی رنگ میں بھی اور جماعتی رنگ میں بھی ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت نہیں کی جاتی اس وجہ سے جو جماعتیں قلیل اور کمزور ہیں وہ کثیر اور مضبوط جماعتوں کے ساتھ نہیں ملتیں کیونکہ انہیں خوف ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ ملنے سے کہیں اور نقصان نہ ہو۔ جب مختلف فرقے مسلمانوں میں موجود ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ بغیر ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرنے کے وہ آپس میں مل سکیں۔ مثلاً شیعہ ہیں وہ سب مذہبی تعصبوں اور بُغضوں کو چھوڑ کر سنیوں سے ملنا چاہیں تو ان کے لئے اگر کوئی روک ہوگی تو یہی کہ سنی شاید ہمارے حقوق کی نگہداشت نہ کریں اور ہم جو اس وقت تک اپنے حقوق کی آپ حفاظت کرتے چلے آتے ہیں اس حفاظت سے بھی ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔

اسی طرح ایک احمدی کا حال ہے کہ وہ بھی اتحاد بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ کی جب خواہش کرے گا تو اس کے راستہ میں بھی یہی روک پیدا ہو گی۔ پھر خود ہی سوچ لو ایک شیعہ سنی سے کس طرح اتحاد کر سکتا ہے، ایک وہابی سنی سے کیونکر مل سکتا ہے، ایک احمدی غیر احمدی سے کیسے صلح کر سکتا ہے۔ پس مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت کی جائے اسی سے متفقہ طور پر قومی رنگ میں دوسری غیر مسلم قوموں کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی بھی اہلیت پیدا ہو سکے گی۔

تبلیغ

مسلمانوں کی ترقی کے لئے جن امور کی ضرورت ہے ان میں سے ایک امر تبلیغ اسلام ہے قرآن شریف میں تمہیں تمام امتوں سے بہترین امت کہا گیا ہے اور بہترین کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا وعظ کرتے ہو اور بدی سے ڈراتے ہو چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ [۱۸] کہ تم سب سے اچھی امت ہو جو دنیا کے نفع کے لئے پیدا کی گئی ہو کیونکہ تم لوگوں کو نیک باتیں بتاتے اور انہیں خدا کے راستہ پر چلانے کے لئے وعظ کرتے ہو اور بدی اور بُرائی کرنے سے روکتے ہو اور ان پر ظاہر کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ ان باتوں سے ناراض ہوتا ہے۔ پس مسلمانوں کا خیر امت ہونا صرف تبلیغ ہی کے سبب سے ہے اور اگر تبلیغ چھوڑ دی جائے تو پھر خیر امت کیسے کہلا سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر ترقی کی خواہش رکھتے ہو اور تمہیں ضرور ترقی کی خواہش رکھنی چاہئے تو تبلیغ کرو۔ عیسائی بالکل معمولی قوم تھی لیکن اس نے تبلیغ شروع کی۔ تکلیفیں تو اس راہ میں اس نے اٹھائیں مگر ترقی بھی کر گئی اور اب تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ہے۔

یأجوج مأجوج

ایک طرف مسیحیوں کو دیکھو اور ایک طرف آریوں کو دیکھو کہ وہ پورے زور کے ساتھ اپنے اپنے خیالات کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں یاجوج ماجوج کو دوسرے ممالک میں پھیلنے سے روکنے کے لئے ایک دیوار بنا دی گئی ہے اور وہ اس دیوار کو چاٹتے رہتے ہیں اسی طرح چاٹ چاٹ کر ایک دن وہ دیوار کو درمیان سے مٹا دیں گے اور سب دنیا میں پھیل جائیں گے۔ یاجوج ماجوج تو جو چاٹیں گے چاٹیں گے عیسائی اور آریہ اس وقت اسلام کی دیوار چاٹ رہے ہیں کہ اسلام کو مٹا ڈالیں۔ اسلام کی دیوار یہی مسلمان ہیں جنہیں مرتد کر رہے ہیں اور اگر اسی طرح کچھ عرصہ یہ کام جاری رہا تو یہ دیوار ساری کی ساری صاف ہو جائے گی یعنی اگر مسلمانوں نے روک تھام نہ کی تو ان میں سے کچھ لوگ آریہ ہو جائیں گے اور کچھ عیسائی۔ پس

ہمارے لئے ضروری ہے نہیں نہیں بلکہ فرض ہے کہ ہم ان کے حملوں کو بھی روکیں اور تبلیغ بھی کریں۔

نفس کی اصلاح

مگر تبلیغ بھی یونہی نہیں ہو سکتی اس کے لئے سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہمیں فیصلہ کر لینا چاہئے کہ اسلام کا فائدہ ہمارے احساسات پر مقدم ہونا چاہئے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اسی وجہ سے مسلمان تبلیغ نہیں کر سکتے اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ ملکانوں کے علاقوں میں ایک جگہ سات آٹھ سو کے قریب آدمیوں کو آریہ مرتد کرنے لگے مجھے خبر ملی تو میں نے اپنے مبلغین کو وہاں بھیجا وہ لوگ ہمارے قبضہ میں آگئے تھے مگر دوسری جماعتوں کے مبلغوں نے وہاں پہنچ کر احمدیت اور غیر احمدیت کا سوال چھیڑ دیا اور بجائے اس کے کہ ان لوگوں کو جو آریہ ہو رہے تھے بچاتے انہیں ہمارے متعلق یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ قادیانی کافر ہیں ان کی باتیں نہ سنو۔ اس کے بعد اگر وہ خود ان کو اپنی باتیں سناتے اور مرتد نہ ہونے دیتے تو ایک بات بھی تھی مگر یہ بھی نہ کیا نہ ہمیں کام کرنے دیا نہ آپ کام کیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہزاروں آدمی جو ہمارے قبضہ میں آسکتے تھے ہمارے ہاتھ سے نکل کر آریوں کے ہاتھوں میں جا پڑے۔ وہ واقعہ میں ہزاروں تھے کیونکہ ان کے ساتھ ان کے بیوی اور بال بچے بھی تھے اور پھر ارد گرد کے قصبوں کے بعض باشندے بھی۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان مولویوں نے وہاں بھی مخالفت کی جس کے یہی معنی ہیں کہ انہوں نے اسلام کی مخالفت کی اور اس کی اشاعت میں روک کھڑی کر دی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ سے یہ بھی کہہ دوں کہ اپنے نفوس کی اصلاح کرو تا آئندہ کے لئے اس طرح نقصان اٹھانے کا خطرہ نہ رہے۔

مسلمان دین سے واقفیت پیدا کریں

تبلیغ کے واسطے بھی اور عام ضروریات کے واسطے بھی یہ بہت ضروری ہے کہ مسلمان خود اپنے دین سے واقف ہوں کیونکہ میں نے دیکھا ہے ذرا سا اعتراض پڑتا ہے تو مسلمان گھبرا جاتے ہیں۔ اگر اپنے دین سے پوری واقفیت ہو تو کبھی کسی اعتراض سے نہ گھبرائیں پھر اگر خود ہی واقف نہیں تو دوسروں کو دین وہ کیا بتا سکتے ہیں۔ پھر دین سے واقف نہ ہونے کا یہ نتیجہ بھی ہے کہ مسلمان اعمال کی طرف سے بے توجہ ہیں۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ خود بھی دین سے واقف ہوں اور اپنے اپنے متعلقین کو بھی اس سے واقف بنائیں خصوصیت سے ایسے مسائل پر کتابیں لکھی جائیں جو بچوں کے لئے مفید ہو سکیں تا بچپن میں ہی ان کے ذہن میں وہ باتیں مضبوطی کے ساتھ

بیٹھ جائیں جو بڑے ہو کر کوشش کرنے پر بھی نہیں بیٹھتیں کیونکہ بچپن کا حافظہ تیز اور ذہنی طاقتیں مضبوط ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ انہی بچوں نے بڑے ہو کر قوم بننا ہے اس لئے بھی ضروری ہے کہ انہیں اسی وقت سے اس قسم کی تربیت دی جائے کہ وہ صحیح طور پر بہترین قوم بن سکیں ان کے لئے اس قسم کی کتابیں، رسالے اور اخبارات ہونے چاہئیں جو ان کے لئے نہ جسمانی طور پر نقصان دہ ہوں نہ علمی اور روحانی رنگ میں۔ اور اگر ذرا سی کوشش کی جائے تو ایسا لٹریچر آسانی کے ساتھ بہم پہنچ سکتا ہے۔

امراء غرباء سے میل جول رکھیں

مسلمانوں کی ترقی کے لئے ایک اور امر جس کی سخت ضرورت ہے یہ ہے کہ امراء غرباء سے میل جول پیدا کریں۔ ہندوؤں میں تو یہ بات ہے کہ ان کے بڑے بڑے لوگ چھوٹے لوگوں سے ملتے رہتے ہیں لیکن مسلمانوں میں یہ بات اول تو ہے نہیں اور جو ہے تو اس قدر کم کہ اسے نہ ہونے کے برابر کہا جا سکتا ہے۔ پس ضرورت ہے کہ جو بڑے ہیں اور جن کو خدا نے امارت دی ہے وہ غرباء سے تعلقات بڑھائیں ان کی ضروریات معلوم کریں ان سے ملتے رہنے سے یہ فائدہ ہو گا کہ وہ سمجھیں گے یہ ہم سے محبت کرتے ہیں پھر وہ بھی محبت کرنے لگیں گے اور محبت سے اتفاق کی روح پیدا ہوا کرتی ہے۔ اب تو مسلمانوں میں سے جو بڑے ہیں ان کے مکانوں کے پاس تک جانے سے عوام خوف کھاتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں انہوں نے اپنی طرز ہی اس طرح بنا رکھی ہے کہ لوگ ان سے ڈریں لیکن اگر ان سے اپنی ہی قوم ڈرتی رہی تو کسی ترقی کی امید کس طرح ہو سکتی ہے۔ پس جو بڑے ہیں وہ چھوٹوں سے ملتے رہیں تا چھوٹے درجہ کے لوگوں کو بھی اپنا اور اپنی قومیت کا احساس ہو اور جب احساس پیدا ہو گا تو پھر انہیں اپنی حفاظت کا خیال بھی آئے گا اور ترقی اور کامیابی کی اُمنگیں پیدا ہو جائیں گی۔

چھوت چھات سے نجات

چھوت چھات کے ذریعے بھی ہم اپنی طاقت مضبوط کر سکتے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں چھ سو سال سے مسلمانوں کا کروڑوں روپیہ ایسے طور پر ہندوؤں کے گھر جا رہا ہے جس کی واپسی کی مسلمانوں کو کوئی امید نہیں اور کوئی ذریعہ نہیں کہ وہ وصول ہو سکے۔ میں مثال کے طور پر صرف حلوائیوں کی دُکانوں کو لیتا ہوں مٹھائی کا استعمال اس ملک میں کثرت سے ہے ہر بازار میں ہر دس دُکانوں کے بعد ایک دُکان ہندو حلوائی کی نظر آتی ہے۔ ہندو تو ان سے لیتے ہی ہیں مگر مسلمان بھی انہی سے خریدتے ہیں اس

طرح مسلمانوں کا کروڑوں روپیہ ہر سال ہندوؤں کے گھر جا پڑتا ہے۔ اور چونکہ ہندو مسلمانوں سے خوردنی اشیا نہیں خریدتے یہ کروڑوں روپیہ جو ہر سال ہندوؤں کے پاس جاتا ہے اس کا کوئی حصہ مسلمانوں کے گھر واپس نہیں آتا پس اس طرح ہندوؤں کی دولت روز بڑھ رہی ہے اور مسلمانوں کی کم ہو رہی ہے۔ میں عداوت نہیں پھیلانا چاہتا بلکہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر چھوت چھات اپنی تمدنی زندگی کے لئے مفید ہے اور اس سے اقتصادی حالت درست ہو سکتی ہے تو ہمیں بھی یہ ذریعہ اختیار کرنا چاہئے اور اپنی بہتری اور بہبودی کے لئے اگر کوئی طریقہ اختیار کیا جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لئے یا دشمنی اور عداوت پیدا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا۔ میرے مدنظر مسلمانوں کے مفاد ہیں اور میں نے ان کے مفاد کے واسطے کہا ہے کہ ہمیں چھوت چھات کے ذریعہ وہ روپیہ بچانا چاہئے جو ہندوؤں کے گھر اس وجہ سے ہمیشہ کے لئے چلا جاتا ہے کہ وہ ہم سے چھوت چھات کرتے ہیں اور ہم ان سے نہیں کرتے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کا یہ روپیہ مسلمانوں کے ہی پاس رہے تو مسلمانوں کی حالت بہت حد تک درست ہو سکتی ہے۔ پس ان چیزوں میں چھوت چھات جن میں ہندو مسلمانوں سے چھوت چھات کرتے ہیں مسلمانوں کے واسطے ایک علاج کے طور پر ضروری ہے۔

کُتب تاریخ کی اصلاح

ہمارے مدارس میں تاریخ کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان سے ہمارا قومی کیریکٹر کچھ خراب ہو چکا ہے اور کچھ ہو رہا ہے کیونکہ ان میں مسلمان بچوں کے باپ دادوں کو چور، ڈاکو، لُٹیرے وغیرہ کہا گیا ہے اور بچے جب پڑھتے ہیں تو اپنے آپ کو چوروں، ڈاکوؤں اور لٹیروں کی اولاد سمجھتے ہیں پس اس کی اصلاح کی بھی سخت ضرورت ہے۔ گو بڑے ہونے پر جب تحقیقی طور پر ان کے سامنے واقعات آتے ہیں تو ان میں سے بعض کے دماغ سے یہ بات نکل جاتی ہے لیکن بچپن کا اثر مٹانے کی ہر اک میں طاقت نہیں ہوتی اور پھر جو اس اثر کو مٹا ڈالتے ہیں وہ بھی اس عمر کے بعد جس میں کیریکٹر بنتا ہے اس بات پر قادر ہو سکتے ہیں بھلا وہ بچے جن کے ذہن میں چھوٹی عمر سے یہ ڈالا جائے کہ تمہارے باپ دادے چور اور ڈاکو تھے کس طرح بلند حوصلہ ہو سکتے ہیں اور کس طرح قومی کیریکٹر ان میں پیدا ہو سکتا ہے؟ پس ضرورت ہے کہ موجودہ کُتب تاریخ میں اصلاح کی جائے ان تاریخوں میں تو اورنگ زیب کو بھی جو ایک عابد اور پرہیز گار بادشاہ تھا ڈاکو اور لٹیرا کہا گیا ہے اور سیوا جی کو بڑا ہوشیار، دانا بادشاہ۔ اب بچوں میں اتنا مادہ تمیز کا تو نہیں ہوتا کہ وہ چھان بین کر سکیں اس لئے وہ اس اثر کے ماتحت رہتے ہیں

کہ واقعی سیواجی بڑا ہوشیار اور دانا راجہ تھا اور اورنگ زیب ایک ڈاکو بادشاہ تھا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ خواہ مخواہ مسلمان بادشاہوں کی تعریف کی جائے بلکہ میں یہ چاہتا ہوں جو جائز حق ہے وہ ہمارے بادشاہوں کو دیا جائے اور جو ان کی جائز تعریف ہو سکتی ہے وہ کی جائے میں یہ نہیں کہتا کہ اورنگ زیب کو ولی قرار دو لیکن کم سے کم اس کی طرف وہ عیب تو منسوب نہ کرو جو اس نے نہیں کئے۔ اصل میں قومی کیریکٹر پچھلی روایات پر مبنی ہوتا ہے اگر اسلاف کی طرف سے اچھے کارناموں کی تاریخ بچوں تک پہنچے تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایسے اچھے نام کو ذلّت سے بچانا ہمارا فرض ہے اور اگر وہ یہ خیال کریں کہ ہمارے اسلاف اچھے نہ تھے تو چونکہ وہ اپنی قومی عزت کچھ سمجھتے ہی نہیں وہ اس کی حفاظت کا بھی چنداں خیال نہیں کرتے اور ان کے اخلاق اعلیٰ نہیں ہوتے اور حوصلہ اور استقلال نشوونما نہیں پاتا پس کُتب تاریخ کی اصلاح نہایت ضروری ہے

ہندوؤں سے اپیل

میں آخر میں ہندوؤں سے بھی اپیل کرتا ہوں اور سچی ہمدردی کے ساتھ کرتا ہوں میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میرے دل کے کسی گوشہ میں بھی ان کی عداوت نہیں ہاں جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے تکلیف محسوس کرتا ہوں اس لئے میں ملک کے نام سے، مذہب کے نام سے، انسانیت کے نام سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو بدلو۔ ہم دنیا کے لئے بار اور بوجھ ہو رہے ہیں اور لوگ ہم پر نالاں ہیں کہ ہم بجائے ترقی کے تنزل کرتے چلے جارہے ہیں ہمارا ملک دوسرے ممالک کی طرح عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا مگر آج لوگ ہم پر ہنس رہے ہیں پس اپنی حالت کو بدلو اور اپنے ساتھ رہنے والی قوم کی مدد کرو اور اس سے مدد حاصل کرو۔

مسلمانوں سے مخاطبہ

مسلمانوں سے بھی میں کہتا ہوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑو نہیں اور اخلاص سے کام لو وہ کام کرو جو ملک کے لئے عزت کا موجب ہو۔ دلوں سے کینہ، بُغض، تعصب نکال دو خواہ وہ کینہ اور تعصب اپنوں کے خلاف ہو خواہ غیروں کے۔ ہر قدم پر ملک کی بھلائی کو مدنظر رکھو اپنے ساتھ رہنے والی قوموں کا احترام کرو، ان سے محبت اور پیار سے رہو۔

آخری الفاظ

میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ صلح غلام ہو کر نہیں ہوا کرتی صلح آزاد ہو کر ہوا کرتی ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ تمدنی اور سیاسی ترقی کرکے دوسری اقوام کی غلامی سے آزاد ہوں۔ دیکھو صلح کرنے والا بندوں کے نزدیک بھی اور خدا کے نزدیک بھی

مکرم ہوتا ہے پس آپ لوگوں کو چاہئے صلح کرنے والے کام کریں صلح سے چونکہ خدا تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوتی ہے اس لئے میں کہتا ہوں خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہی صلح کرو۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ہندوستان کے باشندے خدا کو راضی کرنے والے کام کر سکیں ان سے قوم کی خدمت ہو سکے وہ ملک کے امن اور ترقی کے لئے کوشش کرنیوالے ہوں جو ایسا کرے گا یعنی محبت و پیار اور صلح و آشتی سے رہے گا وہ دنیا کے تاج پر ہیرا بن کر چمکے گا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا اس ملک اور اس ملک کے باشندوں کو ہیرا بنا کر چمکائے۔ اے خدا! تُو ایسا ہی کر۔ آمین۔

خاتمہ تقریر پر صدر جلسہ کے ریمارکس

حضرات! میں اپنی طرف سے اور آپ لوگوں کی طرف سے مرزا صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنے قیمتی خیالات آپ کے سامنے ظاہر فرمائے ہیں اور ایسے نیک سبق ہمیں دیئے امید ہے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو ملک اور قوم کے واسطے مفید ہوں گے۔

میں امید کرتا ہوں میرے مسلمان بھائی جو کچھ مرزا صاحب نے ملک کی بہتری کے لئے دونوں قوموں کو سبق دیئے ہیں ان کو دل میں جگہ دیں گے اور ان پر غور کریں گے اور میں دوبارہ اپنی طرف سے اور آپ لوگوں کی طرف سے شکریہ کا اعادہ کرتا ہوں اور پھر آپ کو ان سبقوں پر غور کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہوا یہ جلسہ برخاست کرتا ہوں۔

۱؎ الفاتحة:۲تا۷ ۲؎ فاطر:۲۵ ۳؎ النحل:۳۷

۴؎

۵؎ البقرة:۲۵۷ ۶؎ الاعراف:۸۹ ۷؎ یونس:۱۰۰

۸؎ الکھف:۳۰ ۹؎ اٰل عمران:۹۸ ۱۰؎ یونس:۲۶

۱۱؎ اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد ۲ صفحہ ۲۲۹، ۲۳۰ مطبوعہ بیروت ۱۲۸۵ھ

۱۲؎ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ الفاظ جن کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے حضور کی "پیغام صلح" نامی کتاب سے نقل کئے جاتے ہیں۔ (مرتب تقریر)

جو لوگ ناحق خدا سے بے خوف ہو کر ہمارے بزرگ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم کو بُرے الفاظ سے یاد کرتے اور آنجناب پر ناپاک تہمتیں لگاتے اور بد زبانی سے باز نہیں آتے ہیں ان سے ہم کیونکر صلح کریں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم شور زمین کے

سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح کرسکتے ہیں لیکن ان لوگوں سے ہم صلح نہیں کرسکتے جو ہمارے پیارے نبی پر جو ہمیں اپنی جان اور ماں باپ سے بھی پیارا ہے ناپاک حملے کرتے ہیں۔ (پیغام صلح صفحہ ۲۱۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۴۸۹)

۱۳ اٰل عمران :۲۰۱

۱۴ ترمذی ابواب صفة القیامة باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض

۱۵ الرعد :۱۲

۱۶

۱۷ کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۶ روایت نمبر ۲۸۶۸۶ مطبوعہ حلب ۱۹۷۱ء

۱۸ اٰل عمران :۱۱۱